ISBN 978-969-9266-04-1

مئی ۲۰۱۲ء / جمادی الآخرہ ۱۴۳۳ھ

حُسنِ ترتیب (شمارہ مئی ۲۰۱۲ء)

مضامین	نگارشات	صفحہ
عظمتِ مزدور (اپنی بات)	پروفیسر دلاور خاں	02
بیع باطل کی بحث اور امام احمد رضا کی تحقیقات	صبا نور	04
شاہ احمد رضا خاں بریلوی اور برِ صغیر کی سیاسی تحریکات	ڈاکٹر محمد حسن امام	10
اذکار و انوارِ حدائقِ بخشش	شہزاد احمد	14
جانیے	ترتیب: فرحان احمد قادری	30
مارہرہ، بدایوں اور بریلی	محمد عبد المجید اقبال میاں بدایونی	34
تحریکِ مسعودی اور بین الاقوامی محققینِ رضا	پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری	39
رضا ہائر ایجوکیشن پروجیکٹ	محمد حامد رضا	44
"فروغِ صبحِ تاباں" پر ایک نظر	سیّد محمد عبد اللہ قادری	46
منظومات		52
دور و نزدیک سے	ادارہ	53

ہدیہ فی شمارہ: 40 روپے
سالانہ: عام ڈاک سے: -/400 روپے رجسٹرڈ ڈاک سے: -/800 روپے
بیرونِ ممالک: 40 امریکی ڈالر سالانہ

نوٹ: رقم دستی یا منی آرڈر / بینک ڈرافٹ بنام "ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا" ارسال کریں، چیک قابلِ قبول نہیں۔ ادارہ کا اکاؤنٹ نمبر: کرنٹ اکاؤنٹ نمبر 45-5214۔ حبیب بینک لمیٹڈ، پریڈی اسٹریٹ برانچ، کراچی۔

نوٹ: ادارتی بورڈ کا مراسلہ نگار / مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں۔ (ادارہ)

ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل

25-جاپان مینشن، ریگل، صدر، جی پی او صدر، کراچی-74400، اسلامی جمہوریہ پاکستان۔ فون: 32725150-21-92+ فیکس: 32732369-21-92+

ای میل: imamahmadraza@gmail.com، ویب سائٹ: www.imamahmadraza.net

اپنی بات

عظمتِ مزدور

پروفیسر دلاور خاں

خانۂ کعبہ کی دیواریں خستہ ہوچکی تھیں قبائل نے فیصلہ کیا کہ اس کی از سرِ نو تعمیر کی جائے؛ چنانچہ تمام سردار باہمی اتحاد کا مظاہرہ کرتے ہوئے تقسیم کار کے اصول پر کاربند رہتے ہوئے اس نیک کام میں مصروف ہوگئے۔ حضور اکرم ﷺ نے بھی اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کر تعمیرِ کعبہ میں مزدوری کا فریضہ سرانجام دیا۔ آپ اپنے کاندھوں پر اینٹیں اٹھا کر لاتے، یہاں تک کہ اینٹوں کی رگڑ سے آپ کے دوش مبارک پر خراشیں پڑ گئیں۔

غزوۂ خندق کے موقع پر حضرت سلمان فارسی نے تجویز پیش کی کہ اگر مدینۂ منورہ کی حفاظت کے لیے خندق کھودی جائے تو دشمن کی یلغار کو روکا جاسکتا ہے۔ اگرچہ اہلِ عرب کے لیے یہ طریقِ جنگ نیا بھی تھا اور انوکھا بھی، تاہم سب نے مل کر اس تجویز کو پسند کیا اور خندق کی کھدائی کا کام شروع ہوگیا۔ ہاتھوں میں کدال تھے؛ محنت کی عظمت کے انمٹ نقوش تاریخ عالم میں ثبت فرمائے جارہے تھے۔ حضرت عمرو بن عوف روایت فرماتے ہیں کہ ہم چند ساتھی خندق کے جس حصے کی کھدائی کررہے تھے اس میں ایک پہاڑی پتھر بھی نکلا جو کسی سے ٹوٹنے کا نام تک نہیں لے رہا تھا؛ ہم نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ حضور اکرم ﷺ کو اطلاع دیں کہ یارسول اللہ ﷺ یہ پتھر کسی سے نہیں ٹوٹ رہا ہے؛ اسے اگر چھوڑ بھی دیا جائے تو فرق نہیں پڑے گا؛ تاہم حضور ﷺ حکم فرمائیں تو اسے ہر حالت میں نکالنے کی کوشش جاری رکھی جائے؟ چنانچہ حضور بنفس نفیس تشریف لائے خندق میں اترے، حضرت سلمانِ فارسی رضی اللہ عنہ سے کدال لی، ایک زوردار ضرب لگائی تو پتھر ٹوٹ گیا۔

آپ ﷺ نے اپنی سیرت سے محنت مزدوری کی عظمت کو عملاً اجاگر کیا۔ حضور اکرم خود اپنے ہاتھ سے کام کرنے کو ترجیح دیتے تھے، یہاں تک کہ اپنے پاپوش خود سیا کرتے تھے۔ محنت مزدوری کرنے والے صحابہ کرام کی عزت افزائی فرماتے۔ آپ نے فرمایا کہ محنت مزدوری کرنے والا اللہ کا دوست ہے۔ آپ نے ایک اور جگہ پر ارشاد فرمایا بہت سے گناہ ایسے ہیں جن کا کفادر نمازوں سے ادا ہوتا ہے، نہ روزوں سے، نہ کسی اور عمل سے؛ ان گناہوں کا کفارہ صرف اور صرف اس مشقت کے ذریعہ ادا ہوتا ہے جو انسان رزقِ حلال کی طلب میں برداشت کرتا ہے۔
(اپنا رزق بڑھایئے، بحوالہ کنز العمال)

نگاہِ مصطفیٰ ﷺ میں محنت مزدوری کرنے والے کی عزت و عظمت کا یہ عالم ہے کہ ایک صحابی حضرت سعد الانصاری حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور آپ سے مصافحہ فرماتے ہیں حضور اکرم ﷺ نے دیکھا کہ ان کے دونوں ہاتھ پھٹے ہوئے ہیں۔ وجہ پوچھی تو انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! میں سارا دن پھاوڑے سے محنت مزدوری کرکے اپنے گھر والوں کی کفالت کرتا ہوں یہ سن کر مصطفیٰ کریم ﷺ بہت خوش ہوئے اور اتنے خوش ہوئے کہ آپ نے اس محنت مزدوری کرنے والے صحابی کے ہاتھ کو بوسہ دیا اور فرمایا یہ وہ ہتھیلیاں ہیں جو ربّ کائنات کو پسند ہیں۔

چشمِ فلک نے اپنی پوری زندگی میں آج تک کسی مزدور کی عزت افزائی کا اتنا بڑا منظر کبھی نہیں دیکھا۔ دنیا کے بڑے بڑے شاہ حضور کے دست مبارک کو بوسہ دینا سعادت دارین سمجھتے ہوں ہر وہ شخص جس کے دِل میں عشق مصطفیٰ ﷺ کی شمع فروزاں ہو وہ آپ کو اسم گرامی کو سن کر اسے بوسہ دینے کے لیے بے تاب ہو جاتا ہے۔ قربان جاؤں ایسے عظیم مزدوروں پر جن کے دست مبارک پر آقائے کائنات نے بوسہ دیا۔

آپ کی سیرت طیبہ کے مطالعے سے یہ حقیقت روشن ہوتی ہے کہ محنت مزدوری گناہوں کا کفارہ، محنت مزدوری مصطفیٰ کریم ﷺ کا پسندیدہ عمل ہے، محنت مزدوری کرنے والا اللہ کا حبیب ہے، محنت مزدوری کرنے والی ہتھیلیاں اللہ تعالیٰ کو محبوب ہیں، محنت مزدوری کرنے والے کی عظمت وتوقیر کا تقاضا ہے کہ اس کے ہاتھوں کو چوما جائے اور اس سنّت کا احیاء کیا جائے۔ مزدوری کی اجرت فوراً ادا کی جائے۔

اس کے برعکس جب صنعتی انقلاب کا آغاز ہوا تو صنعتوں میں کام کرنے والے مزدوروں کے اوقات کار طویل ہوگئے اور انہیں سانس تک لینے کی آزادی نہیں تھی۔ تنخواہیں محدود تھیں علاج معالجے کی کوئی سہولت میسر نہیں تھی۔ ان کی حالت دور جہالیت کے زر خرید غلاموں سے بھی بدتر تھی۔ ان کی عزت وناموس کا کوئی تصور نہیں۔ دوسرے الفاظ میں مصطفیٰ کریم ﷺ نے جو حقوق مزدوروں کو عطا کیے اور جس عزت و احترام کا برتاؤ ان کے ساتھ کیا تھا؛ صنعت کاروں نے اس کے برخلاف عملی مظاہرہ کیا۔ جب شکاگو کے مزدوروں نے اپنے حقوق کی تحریک کا آغاز کیا تو طاقت کے زور پر ان مزدوروں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ ان کی یاد میں پوری دنیا یکم مئی کو یومِ مزدور مناتی ہے۔ سیرت النبی کے مطالعے کی روشنی میں میری رائے یہ ہے کہ محنت مزدوری کی اہمیت کو اجاگر کرنے کے لیے عالم اسلام بالخصوص پاکستانی عوام یومِ خندق یا یومِ تعمیرِ کعبہ منائے۔ اس دِن سیرت طیبہ کی روشنی میں مزدوروں کے حقوق وفرائض پر روشنی ڈالی جائے۔

مزدور طبقہ کسی بھی ملک یا معاشرے کی تعمیر وترقی میں کلیدی کردار ادا کرتا ہے۔ وطنِ عزیز پاکستان کی ۹۰ فی صد آبادی جسمانی محنت مزدوری کرتی ہے جبکہ ۸ فی صد افراد ذہنی محنت مزدوری کرتے ہیں اور دو فی صد افراد جاگیر دار، سرمایہ دار، دولت مند اور بیوروکریٹ طبقے سے تعلق رکھتے ہیں، جو ۹۸ فی صد افراد سے محنت مزدوری کا کام لیتے ہیں۔ آج کے مزدور کی پرنم آنکھیں بچوں کی بہتر تعلیم، اچھی رہائش، مناسب روزگار صحت وتفریح کی سہولتوں اور حضور اکرم کے عطا کردہ عزت واحترام کی منتظر ہیں۔

پاکستان کے صنعت کاروں کا ایک طبقہ ایسا بھی ہے جو صدقہ وخیرات میں بڑھ چڑھ حصہ لیتا ہے، لیکن ان صنعتوں میں کام کرنے والے مزدوروں کا خون چوستا ہے۔ ان کے خون پسینے کی محنت کے باوجود ان کے بچوں کی تعلیم، صحت اور افلاس کے خاتمے کے لیے ان پر سرمایہ خرچ کرنا اپنی شان کے خلاف سمجھتا ہے، ہیں جبکہ یہ مزدور ان صنعت کاروں اور جاگیر داروں کی رعیت ہیں جن کے بارے میں باز پرس ہو گی۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت میں بندے سے کہے گا میں بھوکا تھا تو نے کھانا نہیں کھلایا، میں پیاسا تھا تو نے پانی نہیں پلایا، میں بے لباس تھا تو نے لباس نہیں پہنایا۔ بندہ عرض کرے گا الٰہ العالمین! تو ساری کائنات کا مالک ہے پھر بھلا تو کیسے بھوک پیاس میں مبتلا ہو سکتا ہے اس پر ارشادِ باری تعالیٰ ہو گا میرا افلاں بندہ بھوکا تھا تو اسے کھانا کھلاتا تو مجھے اس کے پاس دیکھتا۔ میرا افلاں بندہ پیاسا تھا تو اس کی پیاس بجھاتا تو مجھے وہاں پاتا میرا افلاں بندہ بے لباس تھا تو اسے لباس پہناتا تو مجھ تک پہنچ جاتا۔ (اپنا رزق بڑھایئے، بحوالہ کنز العمال)

علیٰ ہٰذا القیاس قیامت میں غربت وافلاس میں گھرے ہوئے مزدوروں سے متعلق ان کے حقوق پورے کرنے کے بارے میں صنعت کاروں اور آجروں سے سوال وجواب ہوں گے۔ اس حقیقت سے کسی طرح بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ سیرت طیبہ کی روشنی میں اگر مزدور پوری دیانت داری اور محنت سے فرائض سرانجام دے اور صنعت کار اور آجر ان کے حقوق کا تحفظ کریں تو پاکستان میں معاشی استحکام کا خواب شرمندۂ تعبیر ہو سکتا ہے۔

✖ ✖ ✖ ✖ ✖

بیع باطل کی بحث اور امام احمد رضا کی تحقیقات

صبا نور (ایم فل، دی یونیورسٹی آف فیصل آباد، پاکستان)

خلاصہ: اسلام میں معاشرتی زندگی کے تمام معاملات جن کا تعلق خواہ کسی بھی شعبے سے ہو، ہر معاملے سے متعلق ہمیں واضح راہنمائی ملتی ہے۔ خرید و فروخت کے معاملات میں کچھ صورتیں ایسی ہیں جو اس عقد کو باطل کرنے کا باعث بنتی ہیں۔ امام احمد رضا نے دین اسلام اور ائمۂ سابقین کے بتائے ہوئے اصولوں کو بنیاد بنا کر بیع باطل کی وضاحت کی ہے۔ ایک ہی عقد میں دیگر عقود کی تفصیل بیان کرنا امام احمد رضا کا ہی خاصہ ہے۔ اس باب میں بھی دیگر دوسرے معاملات جن کا تعلق عقد بیع سے ہے ان کو بیان کیا گیا ہے اور ساتھ ہی خصوصاً ان صورتوں کو جو اس معاملے کو باطل کرتی ہیں۔ زیر نظر مقالے میں بیع باطل کو ہی تحقیق کا موضوع بنایا گیا ہے۔ (عبید)

تعارف

خرید و فروخت کے معاملات ہماری روز مرّہ زندگی کا حصّہ ہیں۔ اسلام نے ان تمام معاملات کی تفصیل و تشریح جامع انداز میں بیان کی اور بعد میں آنے والے ادوار میں علما وفقہا نے خرید و فروخت کے معاملات پر لکھا اور بدلتے ہوئے تقاضوں کے مطابق نئے آنے والے مسائل کی تشریح و توضیح کو خرید و فروخت کا معاملہ درست طریقے سے قائم کرنے کے لیے شرع نے کچھ اصول بیان کیے ہیں جن کو بوقت عقد مدِّ نظر نہ رکھا جائے تو معاملہ ٹھیک نہ ہوگا۔ اسی طرح کچھ ایسی اشیا جو حرام کے زمرے میں شمار ہوتی ہیں ان سے متعلق کیا ہوا معاملہ باطل ہوگا۔ بیع کا ناجائز ہونا تین صورتوں پر مبنی ہے، جن میں سے ایک صورت بیع کا باطل ہونا ہے۔

طریقۂ کار

پیشِ نظر مقالے میں بیع باطل کا معنیٰ و مفہوم اور کتبِ فقہ میں درج اس بیع کی صورتیں بیان کرنے کے بعد امام احمد رضا نے بیع باطل سے متعلق جو تحقیقات بیان کی ہیں ان مسائل پر آپ کی تحقیقات، آخر میں ان کا خلاصہ، نتائج تحقیق، اطلاق اور مآخذ و مراجع درج کیے گئے ہیں۔

تحدید

اس مقالے میں امام احمد رضا کی بیع باطل اور دیگر دوسرے عقود جن کا تعلق بیع سے ہے، خصوصاً وہ معاملہ جو باطل ہوجاتا ہے، پر کی گئی تحقیقات کو موضوع بنایا گیا ہے۔

اعتذار

بیع باطل کے موضوع سے متعلق امام احمد رضا نے فتاویٰ رضویہ (مع تخریج و ترجمہ عربی عبارات) کی جلد نمبر ۱۷ میں جو تحقیق بیان کی ہے اس مقالے میں آپ کی تحقیق فتاویٰ رضویہ کی جلد نمبر ۱۷ اور دیگر سے احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

مقاصدِ تحقیق

(۱) دین اسلام نے بیع (خرید و فروخت) کے معاملات کو درست طریقے سے قائم کرنے کے لیے کچھ اصول وضع کیے ہیں ان اصولوں کو بیان کرکے بیع باطل کی وضاحت اس طرح سے کرنا، کہ اس کا مطلب و معنیٰ و مفہوم پوری طرح واضح ہوجائے۔

(۲) شرع نے بیع باطل کی صورتوں کی وضاحت کی ہے کہ جن کی وجہ سے معاملہ ہی سرے سے قائم نہیں ہوتا ان صورتوں کی تشریح کرنا تاکہ دورِ حاضر میں بنی نوع انسان ان طور طریقوں سے اجتناب کریں انسانوں کو ان سے روشناس کرانا اس مقالے کا مقصد ہے۔

(۳) شرع کے مطابق جو اشیا مال کے معنوں میں ہی شمار نہیں ہوتیں جن کی ممانعت قرآن و حدیث سے ثابت ہے، ان اشیا کے بارے میں عوام الناس کو آگاہ کرنا۔

(۴) امام احمد رضا نے بیع باطل کی جو صورتیں بیان کیں ہیں ان کو سہل انداز میں بیان کرنا جو خرید و فروخت کے معاملات کے علاوہ مالوں میں ولی کو کس قدر تصرفات حاصل ہوتے ہیں؟ اور ان کے قائم کیے گئے عقود کن صورتوں میں باطل ہوتے ہیں۔ ان کی وضاحت بیان کرکے اس سے آگاہی دینا اس مقالے کا مقصد ہے۔

بیع باطل کا مفہوم

بیع (خرید و فروخت) کے عقد میں کچھ چیزیں ایسی ہیں کہ جن کی وجہ سے وہ معاملہ از روئے شرع باطل ہوجاتا ہے۔ باطل کا معنیٰ کہ کوئی بھی کیا ہوا عقد ختم ہونا، لوٹ جانا، یا وہ سودا جو سرے سے ہی قائم نہیں ہوا۔

ہر عقد کے قائم ہونے کے لیے اس سے متعلق خاص ارکان وشرائط ازروئے شرع متعین ہوتے ہیں جن کے نہ ہونے کی وجہ سے بعض اوقات معاملہ ختم ہوجاتا ہے۔ اسی طرح عقد بیع میں معاملہ کے قائم ہونے کا امکان ایجاب وقبول ہیں یعنی ایک شخص ایجاب کرتا ہے اور دوسرا شخص (خریدار) قبول، ان میں سے ایک رکن مفقود ہو جیسے شریعت کے مطابق نابالغ بچے کا کیا ہوا عقد قابل قبول نہیں ہوتا۔ نابالغ ایجاب کرے یا قبول دونوں صورتوں میں ہی عقد باطل ہوجائے گا یعنی قائم ہی نہ ہوا۔ اس طرح وہ شخص جو عقل سے عاری ہو مجنون ہو اس کے بارے میں بھی یہی حکم ہے کہ یہ بھی فیصلہ نہیں کرسکتا، لہٰذا خرید وفروخت کے معاملات اس کے قائم ہونے سے نافذ ہوں گے، الغرض بیع کے ارکان میں ہی فساد ہوگیا لہٰذا اس طرح عقد باطل ہوجائے گا۔

دوسری صورت کہ خرید و فروخت کے معاملے میں وہ اشیا جو شرعاً مال ہی نہیں بلکہ مال کے دائرۂ کار میں ان کا شمار نہیں ہوتا جیسے خون، مردار، شراب وغیرہ یہ اشیا بیع کے قابل ہی نہیں ہیں لہٰذا ان کو خریدا جائے یا فروخت کیا جائے دونوں صورتوں میں معاملہ باطل ہوگا کیونکہ یہ مال ہی نہیں ہیں۔[۱]

مال وہ ہے جو دینے یا لینے کے کام آئے جس کو اپنی حاجات کو پوری کرنے کے لیے جمع کرکے رکھا جاتا ہو جسے مال و دولت، نقدی اسباب وجائیداد، املاک، سامان، زراعت وغیرہ وغیرہ الغرض ایسی تمام اشیا جن کو خریدا یا بیچا جاسکتا ہو وہ مال کہلاتیں ہیں۔ مردار، خون، شراب کسی بھی صورت میں مال کے زمرے میں شمار نہیں ہوتیں کہ ان اشیا کو بیچا یا خریدا جائے، کسی بھی صورت ان اشیا کی بیع درست نہیں ہوگی بلکہ باطل ہوگی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَیْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۔[۲]" "اے ایمان والو! یہ شراب اور جوا اور بت اور جوئے کے تیر سب ناپاک ہیں؛ شیطان کی کارستانیاں ہیں سو بچو ان سے تاکہ تم فلاح پاجاؤ۔"

بیشتر احادیثِ مبارکہ میں ان چیزوں کی ممانعت کی گئی ہے۔ بخاری ومسلم کی متفقہ روایتیں ہیں کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب مکۂ معظمہ میں تشریف فرماتھے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ عزوجل ورسول اللہ ﷺ نے شراب، مردار، خنزیر اور بتوں کی بیع کو حرام قرار دیا۔[۳]

ترمذی وابن ماجہ میں انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے شراب کے بارے میں دس اشخاص پر لعنت فرمائی۔[۴] ان احادیثِ مبارکہ سے اس بات کی وضاحت ہوگئی کہ ان اشیا کی خرید وفروخت منع ہے جو حرام کے زمرے میں آتی ہیں۔

بیع باطل کی بحث کتب فقہ کی رو سے

خرید وفروخت میں وہ صورتیں جن کی وجہ سے معاملہ (ایگریمنٹ) باطل ہوتا ہے اس کو ازسر نو قائم کرنا ضروری ہوتا ہے۔ اس کی بہت سی تفصیلات میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

خرید وفروخت کے معاملات میں ایسی اشیا کی خرید وفروخت ناجائز ہوگی جن کی شرع میں ممانعت آئی ہے، جیسے شراب، خون وغیرہ۔ اسی طرح تھوڑی سی مٹی جیسے ایک مٹھی بھر خاک اس کی خرید وفروخت باطل ہوگی۔ مگر جب اس کو زیادہ مقدار میں اٹھا کر دوسری جگہ لے جایا جائے تو اس صورت میں اس کی بیع جائز ہوگی۔[۵]

سودا طے کرتے وقت جس شے سے متعلق خریدار اور بیچنے والے دونوں فیصلہ کریں وہ شے بوقت عقد دونوں فریقین کے سامنے نہ ہو اس کی بیع باطل ہوگی کیونکہ خرید وفروخت کے معاملے میں عقد کے وقت مطلوبہ شے کا ہونا ضروری ہوتا ہے سوائے چند بیع کی اقسام ایسی ہیں جن میں اس طریقے پر معاملہ طے ہوتا ہے کہ شے بعد میں قبضہ میں آجائے؛ لیکن وہ صرف ایک صورت ہی ہے باقی صورتوں میں شے کا بوقت عقد پایا جانا ضروری ہوتا ہے۔ اسی طرح جو شے زمین کے اندر موجود ہوتی ہیں جیسے مختلف سبزیاں ترکاریاں وغیرہ جو ابھی پیدا نہیں ہوئیں ان کا سودا ناجائز ہے۔ اس طرح کھجور کی گٹھلیاں جو کھجور کے اندر ہوں اور بنولے جو روئی کے اندر ہوں یا وہ دودھ جو تھن کے اندر ہو ان سب اشیا کی بیع ناجائز ہوگی کیونکہ یہ معدوم ہیں۔ عقد طے کرتے وقت اُسی شے کی بیع درست ہوگی جو موجود ہو۔[۶]

خرید و فروخت کا معاملہ کرتے وقت دونوں فریقین جس شے سے متعلق سودا طے کررہے ہوں اس شے کا بیچنے والے کی ملکیت ہونا ضروری ہے اس امید پر جائز نہیں کہ آئندہ وقت میں یہ خرید کر اپنی ملک میں کرلوں گا یا ہبہ میراث کے ذریعے سے مجھے مل جائے گی جیسے جو مچھلی دریا یا تالاب میں موجود ہو اس کا شکار ہی نہیں کیا اُس کو روپے

سے بیع کیا تو یہ سودا باطل ہو گا کیونکہ اس صورت میں وہ مچھلی بیچنے والے کی ملک میں ہی نہیں ہے۔ اسی طرح ایک اور صورت میں کہ اس مرتبہ جال ڈالنے سے جو مچھلیاں نکلیں گی ان کی بیع باطل ہو گی۔ جو بھی شے تیار نہ ہو یعنی مکمل اس حالت میں نہ ہو کہ آئندہ کچھ عرصے میں تیار ہو گی جیسے کپڑا، گڑ، شکر وغیرہ اس کی بیع باطل ہو گی۔

جو جانور بغیر ذبح کے مر جائے یا اس کا گلا گھونٹ کر مار دیا جائے اس کو بیچا یا خریدا بیع باطل ہو گی۔ دو چیزوں کو ملا کر بیع کیا ان دونوں میں سے ایک بیع کے قابل ہو اور دوسری قابلِ بیع نہ ہو تو بیع باطل شمار ہو گی مثلاً جیسے آزاد و غلام کو ایک ساتھ جمع کیا یا ذبیحہ اور مردار کو ایک عقد میں بیع کیا بیع باطل ہو گئی۔

وقف شدہ شے کو غیر وقف سے میلا کر بیع کیا تو بیع باطل ہو گی۔ جس شے کا سودا کیا جارہا ہو بیچنے والا اس کی طرف اشارہ کر دے نام بھی ہے، اشارہ کرنے اور نام لینے دونوں تضاد ہو جائے تو بیع باطل ہو گی۔ الغرض یہ بیع باطل کی چند صورتیں ہیں جن کی وجہ سے یہ سودا باطل ہو جاتا ہے۔[7]

باطل کی بحث اور امام احمد رضا کا نقطۂ نظر

امام احمد رضا نے معاشی نظریات کو "تملیک" کی بحث میں سمیٹا ہے۔ آپ نے تملیک کے عنوان کے تحت معاشی سرگرمیاں خواہ ان کا تعلق انفرادی معاشی سرگرمیوں سے ہو، مشترکہ و اجتماعی سب ہی تملیک کے تحت بیان کی ہیں۔ تملیک یعنی کسی دوسرے کو شے کا مالک بنانا تملیک کی چار اقسام میں بیع تملیک بالعوض ہے۔

امام احمد رضا فرماتے ہیں کہ خرید و فروخت کے معاملات کا ناجائز ہونا تین صورتوں پر مبنی ہوتا ہے، جن میں سے ایک باطل ہے۔ باطل وہ صورت ہے جو ممنوع نہیں ہے بلکہ باطل کا مطلب وہ معاملہ یا سودا قائم ہی نہیں ہوا اس قسم میں خرید و فروخت کے نفس عقد میں خلل ہوتا ہے۔ یعنی عقد قائم کرتے وقت مجنون اور پاگل کا قول جو شرعاً ناقابلِ قبول ہوتا ہے لہٰذا مجنوں، پاگل، نابالغ ایجاب کرے یا قبول یہ صورت معاملے کو قائم ہی نہیں ہونے دیتی کیونکہ ازروئے شرع یہ دونوں اشخاص کسی بھی سودا یا معاملہ کرنے کے قابل ہی نہیں۔ آپ مزید فرماتے ہیں: "جو شے بیع (خرید و فروخت) کے رکن میں خلل پیدا کرتی ہے وہ بیع کو باطل کرنے والی ہے۔"[8]

بیع کے ارکان میں ایجاب و قبول شامل ہیں۔ سودا طے کرتے وقت دو فریقین جب معاہدہ کرتے ہیں ایک فریق ایجاب کرتا ہے دوسرا قبول کرتا ہے۔ اب ایجاب ناسمجھ بچے یا پاگل کی طرف سے ہو یا قبول ایسے اشخاص کی طرف سے ہو دونوں صورتوں میں معاملے باطل ہو جاتا ہے۔ رکن میں خلل پیدا ہونے کی وجہ سے یہ معاملے قائم ہی نہ ہوا۔ دوسرے، ایجاب و قبول میں ایک کے حاضر نہ ہونے کی وجہ سے عقد باطل ہو جاتے ہے۔ جس شخص نے یہ کہا کہ میں نے تجھے آسمان کے ستارے، ہوا کی موجیں اور روشنی کی شعائیں فروخت کیں دوسرے شخص نے یہ کہا کہ میں نے خریدیں تو ان دونوں کے ایجاب و قبول کو نہیں مانا جائے گا۔[9]

دوسری صورت کہ بیع جس شے سے متعلق سودا کیا جارہا ہو وہ شے شرع مطہرہ کے نزدیک قابل قبول نہ ہو۔ جسے مردار، خون، شراب وغیرہ یہ اشیا از روئے شریعت مال ہی نہیں تو ان کو چاہیے ویسے خریدا جائے یا قیمت کے طور پر، معاملہ باطل ہو گا۔ جیسے کسی نے یہ کہا کہ میں نے یہ شخص بیچا دوسرے نے کہا کہ میں نے اس کو خون کے بدلے میں خریدا تو یہ باطل ہو گا اب یہ اشیا مال کے معنوں میں ہی نہیں تو ان کی خرید و فروخت کیسے ہو سکتی ہے۔[10]

امام احمد رضا نے اپنے رسالے "کفل الفقیہ الفاہم فی احکام قرطاس الدراہم" (۱۳۲۴ھ) میں مال کی تعریف اس طرح سے بیان کی: "مال وہ شے ہے جو حاجات وضروریات کو پورا کرنے کے لیے استعمال کیا جائے جس کی طرف طبیعت میلان کرے۔" اسی طرح رَدُّالمحتار کی عبارت نقل کرتے ہیں کہ مال وہ شے ہے جس کی شان یہ ہو کہ وقتِ حاجت اس سے نفع لینے کے لیے رکھا جائے اور قیمت والا ہونا مال کو مستلزم ہے۔[11]

یعنی مال جس کو ضروریات و حاجات کے وقت کے لیے سنبھال کر رکھا جائے جو انسان کو نفع دے لہٰذا مردار، خون، شراب مال کی تعریف میں شمار نہیں ہوئیں اور جو شے مال ہی نہیں اس کو خریدا یا بیچا کیسے جا سکتا ہے۔

امام احمد رضا ان ہی اشیا کی تفصیل بیان کرتے ہیں کہ جو جانور بغیر ذبح کے مر جائے اس کا خریدنا اور بیچنا دونوں حرام ہیں۔ اسی طرح حلال جانوروں کا خریدنا یا بیچنا اس انداز سے ہو کہ ان کی کھال چھوڑ کر صرف گوشت خریدا جائے ایسا کرنا درست نہیں۔ مردہ جانور کی کھال کو بیچا جا سکتا ہے مگر اس کو پکا کر یا دھوپ میں سکھا کر استعمال کرنا ٹھیک

ہوگا۔[۱۲] کیونکہ اس کا مقصود انسانوں کی حاجات وضروریات کو مدِ نظر رکھا جائے۔ کھال مختلف قسم کی اشیا کے بنانے میں کام آتی ہے جیسے لباس وغیرہ۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسولِ کریم ﷺ کا گزر ایک بکری کے پاس سے ہوا تو آپ نے فرمایا کہ تم نے اس کی کھال سے فائدہ کیوں نہیں اٹھایا۔[۱۳] لہٰذا اس حدیث میں یہی بات کی طرف اشارہ ملتا ہے کہ مردہ جانور کی کھال کو استعمال کرنا جائز ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ یہ جانور حلال ہو۔ خنزیر حرام جانور ہے، امام احمد رضا فرماتے ہیں کہ یہ نجس عین ہے لہٰذا اس کی کھال، ہڈیوں کی کسی بھی صورت میں خرید وفروخت نہیں کی جاسکتی اور یہ کسی قسم کے نفع کے قابل نہیں۔[۱۴]

دوسری چیز شراب ہے اس کی تجارت حرام ہے۔ امام احمد رضا فرماتے ہیں کہ بھنگ، افیون کو نشہ کے لیے استعمال کیا جائے تو حرام ہے۔ ان اشیا کا کسی دوا میں استعمال کیا جائے اور اس قدر قلیل مقدار میں ہو کہ روز کے قدر شربت میں قابل تغییر نہ ہو تو اس کو حرام نہیں کہا جاسکتا کیونکہ بعض مرض اس نوعیت کے ہوتے ہیں جن کی دوا میں نشے والی چیزوں کا استعمال ہوتا ہے اس مقصد کے تحت ان اشیا کی خرید وفروخت جائز ہے۔ لیکن دوسری صورت کہ محض نشے، لذت کے لیے استعمال کیا جائے اور کھلے عام اس کی خرید وفروخت کی جارہی ہو تو یہ استعمال و بیع حرام وناجائز ہے۔[۱۵]

امام احمد رضا فرماتے ہیں کہ مٹی جو اتنی قدر قلیل مقدار میں ہو جیسے مٹھی بھر خاک اس کی بیع نہیں ہوسکتی کیونکہ وہ قلیل ہے اس کو مال نہیں کہا جاسکتا۔ جب وہ اتنی مقدار میں ہو کہ اسے ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جایا جاسکتا ہو منتقل کیا جاسکتا ہو تو بلاشبہ وہ مال ہے اس کی خرید وفروخت جائز ہے۔[۱۶] جیسا کہ گھروں کی تعمیر میں چھتوں پر ڈالنے کے لیے اس کی خرید وفروخت کی جاتی ہے، بلاشبہ جائز ہوگی۔

بیع باطل کی چند صورتیں

مسلمانوں کی معاشرتی اور تمدنی زندگی میں مساجد کو ہمیشہ سے ہی ایک انسٹیٹیوٹ کی حیثیت حاصل رہی ہے۔ مساجد کی بیع (خرید وفروخت) کسی بھی صورت جائز نہیں۔ ایسی جگہ جس کو مسلمانوں نے مسجد کے لیے خریدا اب اس جگہ کا بیچنا حرام وباطل ہے۔ ایک جگہ مسجد کے لیے خریدی وہ بعد میں نامناسب لگی اس صورت میں اس جگہ کو بیچ کر دوسری مناسب جگہ لینا جائز ہے اس میں حرج نہیں۔[۱۷] اسی طرح قبرستان کی بیع حرام وباطل ہے۔[۱۸]

خرید وفروخت کے معاملے میں دونوں فریقین کا شے سے متعلق قیمت کا مقرر کرنا لازمی امر ہے۔ سودا طے کرتے وقت قیمت کا تعیّن نہیں کیا تو بیع باطل ہوجائے گی۔ اس طرح معدوم شے (وہ شے جو نظروں کے سامنے نہ ہو) اس کی بیع باطل ہے۔[۱۹]

آئندہ ملنے والی تنخواہ مہر کے عوض دی تو یہ معدوم وباطل ہے کیونکہ وہ شے نظر کے سامنے نہیں؛ اس کے بارے میں یہ یقینی طور پر نہیں کہا جاسکتا کہ آیا وہ شے مل جائے گی۔ اس طرح وہ شے جو بیچنے والے کے قبضے میں نہ ہو اور وہ شے جس کے عدم کا خطرہ ہو یعنی بے یقینی ہو کہ کچھ عرصے بعد وہ شے میری ملک میں آجائے گی اس کی بیع باطل ہوگی، مگر بطور سلم (جو بیع کی ایک قسم ہے) میں یہ رخصت دی گئی ہے۔[۲۰] پھل کو نمودار ہونے سے قبل بیچا تو یہ ناجائز وحرام اس طرح پھل کا پھول پر بیچنا ہی ناجائز ہوگا۔ پھل اس قدر نمودار ہوجائیں کہ اگرچہ جانور کے کھانے کے قابل ہو تو بیع جائز ہو۔[۲۱]

خرید وفروخت میں جب تک خریدار کا شے پر قبضہ نہیں ہوجاتا یعنی جب تک وہ شے خریدار کے قبضے میں نہیں آتی بلکہ اس سے قبل ہی بیچنے والے کے پاس سے ہلاک ہوجاتی ہے اس کے اپنے کسی فعل کی وجہ سے یا کسی آفت آسمانی سے لہٰذا بیع باطل ہوگی بلکہ بیچنے والے نے جو قیمت خریدار سے لی ہے وہ خریدار کو واپس کرنا لازم ہوگا۔[۲۲]

خرید وفروخت کے معاملات میں چند صورتیں ایسی ہیں کہ بسا اوقات وہ لوگ جو مال تو رکھتے ہیں، لیکن وہ ان تمام معاملات میں فیصلوں کا شرعی طور پر حق نہیں رکھتے جیسے مجنوں و پاگل اشخاص اور ایسے ہی نابالغ افراد کہ ان لوگوں کے مال واسباب سے متعلق فیصلوں کا اختیار شرع نے کن کو دیا ہے؟ امام احمد رضا نے ان تمام مسائل سے متعلق اپنی تحقیقات کو منفرد انداز سے بیان کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ جو شخص مجنوں ہو یا نابالغ اس کے مال سے متعلق کیے گئے تمام فیصلے، تصرفات باطل ہوں گے۔ وہ شخص جو عقل نہ رکھتا ہو حرکات وسکنات سے صاف ظاہر ہو گفتگو بولنے کے انداز سب سے یہ کیفیت نمایاں ہو یعنی وہ اشخاص جو مکمل طور پر عقل کھو چکے ہوں، جن کا ذہنی توازن بگڑ چکا ہو تو ایسے شخص سے شرع مطہرہ بھی اپنی تمام پابندیاں یعنی نماز، روزہ وغیرہ اٹھالیتی ہے۔ قرآن پاک نے ان لوگوں کو بے عقل کہہ کر

ان کی بیع وشرا (خرید وفروخت) وغیرہ تمام تصرفات کو ناجائز قرار دیا ہے۔ امام احمد رضا مزید اس بات کی وضاحت بیان کرتے ہیں کہ محبوس العقل کے تمام تر تصرفات اس کے اپنے مال سے متعلق ہوں باطل ہوں گے ایسا شخص اپنا مال ہبہ (گفٹ) کرے یا خرید وفروخت کرے تو یہ تصرف باطل ہو گا ایسے افراد کے مال و دولت سے متعلق فیصلے کرنے کا اختیار ولی کو رہے گا۔[23]

اسی طرح نابالغوں کی طرف سے بھی تمام تصرفات ولی کی طرف موقوف رہیں گے؛ مگر چند حدود و قیود کے اندر رہ کر، ان کو بھی مکمل آزادی نہیں ہوتی کہ جیسے چاہیں تصرفات کریں۔ نابالغ جو فیصلہ کرنے کی طاقت نہیں رکھتے نفع ونقصان سے عاری ہوتے ہیں انہیں ان معاملات کا فہم وادراک حاصل نہیں ہوتا لہٰذا ان کی ولایت کا اختیار ماں اور بھائی کو حاصل ہوتا ہے، لیکن ولی کے تصرفات کو بھی شرع مطہرہ نے چند پابندیوں میں قید کیا ہے۔ ولایت ماں اور بھائی کو حاصل ہو تو ضروریات وحاجات کے سوا کسی قسم کا تصرف جائز نہیں۔ ان کی طرف سے جائیداد خریدتا، اس قسم کے تصرفات حاصل نہیں ہوتے۔[24] ماں اگر جائیداد کو خریدے یا فروخت وغیرہ کرے گی تو فضولی کے درجے میں ہوگی؛ فضولی وہ شخص (جو دوسرے کے مال میں تصرف کرے) اس کا قاعدہ یہ ہے کہ فضولی جب کسی دوسرے کی ملکیت میں تصرف کرتا ہے اور بوقت عقد کوئی اجازت دینے والا موجود نہ ہو تو ایسی خرید وفروخت باطل ہوگی؛ یہاں تک نابالغان بلوغت کی عمر کو بھی پہنچ جائیں تب بھی یہ بیع درست نہ ہوگی؛ کیونکہ عقد طے کرتے وقت کوئی اجازت دینے والا موجود نہ تھا۔ یہ بیع باطل ہوگی اور باطل بعد میں کسی کی اجازت پر موقوف نہیں رہتی کیونکہ یہ بیع سرے سے ہی قائم نہ ہوگی۔[25]

اسی طرح فضولی کسی دوسرے کی ملکیت کو اپنا ظاہر کرکے بیچنے، اور اپنے ہی فائدے کے لیے بیچے تو ایسی بیع باطل ہوگی۔[26]

امام احمد رضا فرماتے ہیں کہ جو اولاد زنا سے ہو تو جس شخص نے یہ حرکت کی ہے اس کو اس زنا کی اولاد کی ولایت حاصل نہیں ہوتی اور نہ ہی وہ شخص اس اولاد کا باپ کہلائے گا اور نہ ہی وہ اپنی جائیداد اس کو وارث کے طور پر عطا کر سکتا ہے، بلکہ وہ شخص اس زنا کی اولاد کے لیے محض اجنبی ہے۔ بیع شرعی کرکے زرِ ثمن اس کو ہبہ بھی کردے تو ایسی بیع باطل وناجائز ہوگی اور نہ ہی اس کو ولایت حاصل ہوگی، بلکہ اس کا ولی بن کر اس کی طرف سے کوئی خرید وفروخت بیع (شے) قبول کرنے کا بھی حق نہیں رکھتا۔[27]

خرید وفروخت میں ایسی صورت کہ جس میں مرض الموت کے وقت کوئی شخص اپنے مال میں سے کچھ متعین مال اپنے کسی دوسرے وارث کے ہاتھ فروخت کرے اگر وہ صحت یاب ہو جائے تو یہ بیع جائز ہوگی؛ اسی بیماری میں مر گیا اور اس کے دیگر دوسرے ورثا نے اس بیع کی اجازت نہ دی تو یہ بیع باطل ہو جائے گی۔ مریض کی زندگی میں ہی دوسرے وارثوں کی اجازت معتبر نہیں البتہ موت کے بعد وہ بیع دوسرے ورثا کی اجازت پر موقوف رہے گی۔[28]

ہبہ یعنی کسی کو گفٹ کر دینا یا کسی دوسرے کو بلاعوض کسی شے کا مالک بنانا اس میں بھی ایک صورت ایسی ہے کہ اگر کسی کو اس طرح گفٹ دیا کہ اس کے عوض لینے کی شرط بھی ظاہر کی جیسے کہا کہ میں نے تجھے اس شے کے بدلے ہبہ کیا تو یہ بیع کی صورت ہے؛ مثلاً مہر کے عوض ایک جائیداد دینا تملیک بالعوض ہے۔ اگرچہ الفاظ ہبہ یا عطا ہو یہ بیع ہے بیع مبادلہ مال بمال ہے مال عین ہو یا دین مگر مہر قبل از نکاح نہ عین ہے نہ دین تو اصلاً مال ہی نہیں ہوا لہٰذا بیع ناممکن۔ جیسے امام احمد رضا سے ایک سوال ہوا کہ کسی شخص کے والدین اپنے بیٹے کے نکاح سے قبل ہی اپنی بہو کو اپنی جائیداد وغیرہ بطور مہر لکھ دیں کہ ہماری وفات کے بعد جو کچھ بھی ہمارے بیٹے کا ہے وہ سب اپنی بہو کو دیں گے؛ مگر نکاح کے وقت اس کا تذکرہ بھی نہ ہوا اور نہ ہی نکاح نامے میں یہ لکھا گیا اور لڑکی نے نکاح کے وقت بھی اس کو قبول نہ کیا بعد میں اس لڑکی نے جائیداد کا مطالبہ کیا تو امام احمد رضا اس مسئلے کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ تصرف مہر کے عوض ایک جائیداد کا دینا تھا اور تملیک بالعوض، لیکن قبل از نکاح یہ ایک وعدہ ہوا مہر قبل از نکاح کوئی مال نہیں تو اصلاً مال ہی نہیں تو اس کے عوض کسی شے کا دینا محض باطل ہوا۔[29]

الغرض یہ چند صورتیں بیع باطل کی ہیں جو امام احمد رضا نے بیان کیں، جن کی وجہ سے عقد قائم نہیں ہوتا۔

خلاصۂ تحقیق

زیرِ نظر مقالے میں یہ بات واضح طور پر سامنے آچکی ہے کہ شرع مطہرہ نے بیع باطل کی وہ صورتیں جن سے معاملہ سرے سے قائم ہی نہیں ہوتا بیان کردی ہیں۔ بیع کے کسی رکن میں خلل واقع ہونا بیع کو باطل کر دیتا ہے۔ اس کے علاوہ حرام اشیا کی خرید وفروخت ناجائز ہے

جیسے شراب، مردار، خون وغیرہ۔ امام احمد رضا نے ان حرام صورتوں کی وضاحت کی اور دیگر دوسرے عقود جیسے ہبہ وغیرہ ان کے بارے میں بھی بتادیا کہ کن صورتوں میں ہبہ بھی بیع کے معنوں میں ہوگا۔ الغرض ان تمام اشیا کی جو حرام ہیں اور دیگر اس کے علاوہ وہ صورتیں جو کسی بھی معاملے کو باطل کرنے کا باعث بنتی ہیں تفصیلاً بیان فرمایا۔

نتائج

اس تحقیق سے درج ذیل نتائج حاصل ہوتے ہیں:

(۱) بیع باطل کی وہ صورتیں جو از روئے شرع ثابت ہیں ان کو بیان کرکے عوام الناس کو اس سے روشناس کرایا گیا تاکہ لوگ کوئی معاملہ یا عقد طے کرتے وقت ان صورتوں کو سامنے رکھ کر شرع مطہرہ کے مطابق اس معاملے کو قائم کریں۔

(۲) شراب، مردار وغیرہ ان اشیا کا شمار حرام معنوں میں ہوتا ہے۔ لہٰذا ان کی خرید و فروخت جائز نہیں۔

(۳) مجنون، پاگل اور نابالغ کے اپنے مال میں کیے گئے تصرفات باطل ہوں گے، یہ اختیار ان کے ولی کو حاصل ہوگا لیکن شرع نے اس کی حدود بھی مقرر کی ہیں۔ لہٰذا اس اصول کو مدِّ نظر رکھا جائے۔

(۴) مہر کے عوض جائیداد وغیرہ دینا ہبہ بالعوض ہے، جس کی صورت بیع ہے۔ اس مسئلے پر امام احمد رضا کی تحقیق کو سامنے رکھ کر وراثت اور دیگر مسائل جو ہبہ یا بیع سے متعلق ہوں حل کیے جاسکتے ہیں۔

عملی اطلاق

عصرِ حاضر میں ان حرام اشیا کی خرید و فروخت ناجائز و حرام ہے۔ ان کی بیع باطل جن کو شرع نے حرام قرار دیا ہے۔

شرع کے مطابق انسانوں کے بالوں کی بیع درست نہیں؛ انہیں کام میں لانا جائز نہیں ہے؛ ان کی خرید و فروخت کرکے مختلف قسم کے اشیا جو عورتوں کی چٹیا بنائی جاتی ہیں، انہیں استعمال کیا جاتا ہے لہٰذا اس مقصد کے لیے بالوں کی خرید و فروخت ناجائز ہے۔ دورِ حاضر میں یہ صورتِ حال ایک کاروبار کی شکل اختیار کرگئی ہے۔ یہ بیع باطل ہے۔

مردہ جانوروں کی کھالوں کی بیع کو درست قرار دیا گیا ہے۔ کھالوں سے مختلف قسم کی استعمال کی اشیا بنائیں جاتیں ہیں؛ لیکن خنزیر کی کھال یا ہڈی سے کسی بھی صورت میں نفع اٹھانا جائز نہیں۔

حوالہ جات و حواشی

۱۔ بہارِ شریعت (مع تخریج)، مولانا امجد علی اعظمی، حصّہ یازدہم، صفحہ ۸۹، مکتبہ المدینہ فیضان مدینہ، کراچی، اپریل ۲۰۰۹ء
۲۔ القرآن الکریم، ۵/۹۰
۳۔ صحیح بخاری، کتاب البیوع، باب بیع المیتۃ والاصنام
۴۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الرھون، باب المسلمون شرکاء فی ثلاث
۵۔ بہارِ شریعت، ص۹۰؛ الشراق نوری ترجمہ قدوری، مقبول الرحمٰن، مکتبہ رحمانیہ
۶۔ ایضاً، الھدایہ
۷۔ ایضاً
۸۔ تعلیقاتِ رضا، امام احمد رضا (مترجم علامہ صدیق ہزاروی) ص۱۵۷، کرمانوالہ بک شاپ، لاہور، ۲۰۰۷ء
۹۔ فتاوی رضویہ (مع تخریج و ترجمہ عربی عبارات)، امام احمد رضا بریلوی، جلد ۱۷، ص ۱۴۲، رضا فاؤنڈیشن، لاہور
۱۰۔ ایضاً، جلد ۱۱، ص ۵۴۲
۱۱۔ ایضاً، جلد ۱۷، ص ۳۹۸
۱۲۔ ایضاً، ص ۱۶۱
۱۳۔ صحیح بخاری، کتاب الذبائح، باب جلود المیتۃ
۱۴۔ المرجع السابق، ص ۱۶۱
۱۵۔ ایضاً، جلد ۱۹، ص ۵۳۷، مزید دیکھیے فتاویٰ رضویہ، جلد نمبر ۱۴، ص ۶۵۶
۱۶۔ ایضاً، جلد ۱۷، ص ۱۵۷
۱۷۔ ایضاً، جلد ۹، ص ۳۸۶
۱۸۔ ایضاً، جلد ۱۷، ص ۱۷۱
۱۹۔ ایضاً، جلد ۱۷، ص ۱۲۳، مزید دیکھیے فتاویٰ رضویہ، جلد ۲۶، ص ۳۶۹
۲۰۔ ایضاً، جلد ۱۷، ص ۱۲۳
۲۱۔ ایضاً، جلد ۱۷، ص ۱۷۶، ص ۱۵۵
۲۲۔ ایضاً، جلد ۱۰، ص ۲۷۴
۲۳۔ ایضاً، جلد ۱۹، ص ۲۱۹
۲۴۔ ایضاً، جلد ۱۷، ص ۱۰۷
۲۵۔ ایضاً، جلد ۱۱، ص ۶۲۲
۲۶۔ ایضاً، جلد ۱۷، ص ۱۰۰
۲۷۔ ایضاً، جلد ۱۷، ص ۱۵۱
۲۸۔ ایضاً، جلد ۱۷، ص ۲۱۲، مزید یکھیے فتاویٰ رضویہ، جلد ۱۹، ص ۳۲۷
۲۹۔ ایضاً، جلد ۱۷، ص ۱۲۱۔ مزید دیکھیے فتاویٰ رضویہ، جلد نمبر ۱۸، ص ۱۵۸، اس غلام کی بیع باطل جس کو آزاد کے ساتھ ملا کر فروخت کیا، تو اس غلام کی بیع باطل ہوگی جس کو آزاد سے ملا کر فروخت کیا بخلاف اس غلام جس کو دوسرے غلام کے ساتھ ملا کر بیچا۔

مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی اور برصغیر کی سیاسی تحریکات

ڈاکٹر محمد حسن امام (وفاقی اُردو یونیورسٹی، پاکستان)

Abstract: Undoubtedly, coming in being of Pakistan was a great event. It was an astonishing revolution according to its effect & conclusions. Actually, Pakistan was neither made because of any need of time & expedience nor a support of any party (Person) or Power and result of conspiracy. But it was achievement of continuous mental and intellectual & practical efforts. Further it was a logical result of continuous events & situation after 1857. Then there is not only a single moment, so many moments and activities were behind this revolution. But this is the reality that religious, political, traditional, cultural, social, economical, psychological activities were also behind the aim of Pakistan was never only to divide Hind. The Muslims have their own culture and their own civilization. Hence the Muslims should get a state in the Muslim majority areas where they may be able to Cultivate their religious and moral tradition. In 1925 the all India Sunni Conference took place at Muradabad. According to its plan the Muslim majority provinces of the sub-continent were to be made a separate unit with a Muslim Government.

جمعیۃ العالیہ المرکزیہ کا قیام اور مقاصد (۱۹۲۵ء)

اٹھارھویں صدی میں ہندوستان برطانیہ کے زیرِ اقتدار آیا۔ اس کی پوری تاریخ میں تقریباً پہلی بار ایک پردیسی ملک کے افراد نے، جن کا اپنا وطن ہندوستان سے کئی ہزار میل کے فاصلے پر تھا، ہندوستان کی حکومت کی باگ ڈوڑ اپنے ہاتھ میں لی اور اس کی تقدیر کے رہبر بنے۔ ملک پر اس طرح کا قبضہ ایک نیا تجربہ تھا۔ اگرچہ ماضی میں ہندوستان پر بہت سے حملے ہوئے تھے اور کبھی کبھی ملک کا کچھ حصہ عارضی طور پر فاتحین کی حکومت میں چلا گیا۔ ہندوستان کی آزادی کو کھونے اور اسے پھر سے حاصل کرنے کی داستان انسانی تاریخ میں مطالعے کا ایک نہایت دلکش مضمون ہے۔ برعظیم پاک و ہند کی تاریخ ہنگاموں سے بھری ہے ہر دور میں اور اس کے ہر خطہ میں شورش اور تحریکیں اس کا لازمی حصّہ ہیں۔

بلاشبہ تحریکِ آزادی کے ابتدائی سو سالوں میں جدوجہد کے میدان میں قائدانہ کردار صرف علماءِ اہلسنت ہی ادا کرتے رہے ہیں؛ بعد میں دوسرے لوگ بھی سامنے آئے، مگر علما نے اپنا امتیازی کردار آزادی کی صبح تک جاری رکھا۔ برطانوی اقتدار و استعمار کی بیخ کنی اور مذہبی اقدار کی حفاظت علما کا نصب العین تھا۔ ہندوستان میں مسلمانوں نے طویل مدّت تک کم تعداد ہونے کے باوجود حکومت کی اور کسی بڑی بغاوت کا ان کو سامنا نہیں کرنا پڑا۔ اس لیے کہ انہوں نے ہی ہندوستان کو علمی، تمدنی، اخلاقی لحاظ سے اعلیٰ تصوّرِ حیات عطا کیا۔ آزادی کی یہ تحریک جس کا سب سے زیادہ مظاہرہ ۱۸۵۷ء میں ہوا اور اس میں مسلمانوں نے ہی قیادت کی۔ انگریزوں سے نفرت اور سامراج سے عداوت، علما کی نفسیات میں شامل ہے۔

امّتِ اسلامیہ اپنی چودہ سو سالہ تاریخ میں عروج و زوال کے مختلف مراحل سے گزرتی رہی۔ اس میں ان کے عروج کا دور بڑا تابناک رہا۔ امّتِ مسلمہ ایک طرف دنیاوی ترقی میں بامِ عروج تک پہنچی، تو دوسری طرف اعلیٰ انسانی کردار اور اعلیٰ اخلاقی معیار کی مثال بنی رہی۔ یہ ان کا وہ دور تھا جب انہوں نے زندگی کا ثبوت دیا اور علمی لحاظ سے کوتاہی نہیں کی اور اپنے دین کی اعلیٰ قدروں کو اختیار کیا اور عملی طور پر اپنے دین سے مخلصانہ وابستگی رکھی۔ چنانچہ ان کو طویل مدت تک عروج و کمال حاصل ہوا۔

۲۰ ویں صدی کے شروع ہی میں اسلامی عقائد کے خلاف ایک ایسی منظم کارروائی کی ابتدائی ہوئی کہ مسلّمہ اجماعی عقائد کو مسخ کیا جانے لگا۔ دین اسلام پر طرح طرح کے الزامات لگائے گئے۔ اولیا کی عظمت کو ختم کیا جانے لگا۔ غیر اسلامی شعار اپنانے کے لیے مسلمانوں کو مجبور کیا جانے لگا۔ ماتھے پر تلک لگوائے گئے اور مساجد کو ہندوؤں کی پامال گاہ بنادیا گیا۔ ہندوؤں کو منبر پر اعزاز کے ساتھ بٹھایا گیا۔ انہی دنوں مسلمانوں کے مرکزِ عقیدت و محبت حرمینِ شریفین پر ظالموں نے گولہ باری کی، مقابرِ صحابہ و اولیا کو زمیں بوس کر دیا؛ بے شمار علما اور جلیل القدر مشائخ عظام کو صرف اس لئے تہ تیغ کیا گیا کہ وہ نجدیوں کے ہم عقیدہ نہ تھے۔[1] حرمین شریفین، مکۂ معظمہ اور مدینۂ منورہ، مقامات مقدسہ، بیت المقدس اور آثار بغداد و نجف و کربلا (معلّٰی) کی حفاظت بھی ترکی کے خلفا کے سپرد تھی۔ مسلمان سلاطین ترکی حرمین شریفین سے انتہائی عقیدت رکھتے تھے۔

بغاوت اور انگریزوں کے عمل دخل اور بالخصوص فلسطین میں یہودیوں کو وطن دینے کے بعد حرمین اشریفین کی حفاظت کی کیا ذمّے داری تھی یہ وہ چیز ہے جو ہر مسلمان کو جان سے زیادہ عزیز ہے۔ چنانچہ مسلمانانِ عالم کا مضطرب ہو جانا لازمی تھا۔

برّصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کو دھوکا دیا جانے لگا اور ہندوستان کے ہنود کے مفادات کے حصول کے لیے فتویٰ دیا گیا کہ ہندوستان دارالحرب بن چکا ہے۔ اس سے ہجرت فرض ہے۔ دوسری طرف کچھ فکر مند لوگ تھے جو علما و مفتیانِ کرام سے سر زمینِ ہند کی حیثیت معلوم کرنے کے درپے ہوئے کہ آیا وہ دارالاسلام باقی ہے یا دارالحرب میں تبدیل ہو چکی ہے تاکہ اس سے شرعی مسائل اور معاملاتِ زندگی میں جو فرق پڑتا تھا اس کے مطابق عمل کر سکیں۔ اس کے علاوہ ایسے باشعور اور حساس علما بھی تھے جو حالات کا بہت باریکی اور گہرائی سے مطالعہ کر رہے تھے، تاکہ اس سر زمین کی شرعی سیاسی حیثیت متعین کر کے مستقبل کے بارے میں کوئی فیصلہ کر سکیں اور کوئی عملی قدم اٹھا سکیں۔

علماء و مشائخ میں ایسے لوگ جو زیادہ زیرک تھے انہوں نے ہندوستانی مسلمانوں کی حیثیت میں آنے والے تغیر کو بہت پہلے بھانپ لیا تھا۔ جن لوگوں نے برصغیر کو "دار الحرب" قرار دے کر مسلمانوں کو مشورہ دیا کہ وہ افغانستان ہجرت کر جائیں ان میں ایک نام مولانا ابو الکلام آزاد (۱۸۸۸–۱۹۵۸ء) کا ہے۔ ایک اندازے کے مطابق کئی لاکھ مسلمان اس واقعے سے متاثر ہوئے۔[۲]

تحریک ہجرت اور تحریک خلافت میں برصغیر کے مسلمانوں کا کافی نقصان ہوا۔ مسلمانوں کو مزید کمزور کرنے کے لیے ان کو انگریزوں سے ترک موالات کروانے کی کوشش کرنے لگے۔ اس وقت برصغیر کے علما میں سب سے زیادہ فعال شخصیت حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کی تھی جنہوں نے ترک موالات کے نتیجے میں ہندو مسلم اتحاد کی، جو وطنیت پرستی اور دین سے بے خبری پر مبنی تھا، سخت مخالفت فرمائی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب ترک موالات کے خلاف آواز اٹھانا خود کو انگریز حاکموں کا حمایتی ظاہر کرنے کے مترادف تھا، مگر فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اظہار حق میں ملامت کرنے والوں کی پروانہ کی اور فقیہانہ شان کے ساتھ اپنے فیصلے صادر فرمائے اور بالآخر جو کچھ فرمایا تھا وہی آنے والے دنوں میں سچ ثابت ہوا۔

برِّصغیر کے مسلمانوں کی بربادی کی وہ عظیم سازش تھی کہ اگر اس کا بروقت تدارک نہ کیا جاتا تو اس کا نقصان جہاد آزادی (۱۸۵۷ء) کے ہنگامے سے بھی زیادہ ہوتا۔

پھر مسلمانوں کو بزور طاقت ہندو بنانے کے لیے شدھی اور سنگھٹن کی تحریکیں شروع کیں اور ساتھ ہی ساتھ لالچ، دباؤ، اور ڈرا دھمکا کر مسلمانوں کو بتایا جانے لگا کہ ہندوستان ہندوؤں کا ملک ہے۔ مسلمانوں کے لیے دو ہی راستے ہیں یا تو وہ ہندو بن جائیں یا ملک چھوڑ دیں۔ یہ وہ تمام حالات، اسباب اور واقعات تھے جنھوں نے ملّت و مشائخ اہلِ سنّت کو مضطرب کر دیا۔ یہ حضرات اگرچہ اس سے پہلے بھی اپنی سی کوششوں میں مصروف تھے لیکن جب دن کا آرام راتوں کی نیند اڑ گئی، دل اضطراب میں آ گئے تو علما و مشائخ اہلِ سنّت ملّتِ اسلامیہ کے دکھوں کا علاج کرنے پر کمربستہ ہو گئے۔

ان مقاصد کے حصول کے لیے ایک ہمہ گیر اور موثر تنظیم و تحریک کے ذریعے ہی مسلمانوں کو بدحالی سے نکالا جا سکتا ہے۔ اس مقصد کے لیے مذہبی و سماجی تنظیموں کو ایک تحریک میں پرونا، مساجد، مدارس اور خانقاہوں کو ایک تنظیم کے پروگرام کے تحت چلانا، دشمن کے حملوں کو مل کر ناکام بنانا، خالص مذہبی، روحانی اور فلاحی اصلاحی کاموں کو اوّلیت دینا وغیرہ۔ اس دور میں حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی علیہ رحمہ کی ذات تھی، جنہوں نے اس وقت کئی تنظیمیں قائم کر کے نمایاں کردار ادا کیا؛ ان تنظیموں میں جمعیۃ انصار الاسلام، اور جماعت رضائے مصطفیٰ نمایاں تھیں۔ مولانا احمد رضا خاں بریلوی ۱۹۲۱ء میں دنیا سے رخصت ہو گئے، لیکن ان کے بعد ان کے خلفا اور تلامذہ و محبین و معتقدین اور برِّعظیم کے جلیل القدر علماء، اور مشائخ کرام اہلِ سنّت ان مقاصد کے حصول کے لیے مارچ ۱۹۲۵ء کو مراد آباد (انڈیا) میں جمع ہوئے اور ایک عالمگیر تنظیم بنام "الجمعیۃ العالیۃ المرکزیۃ" (آل انڈیا سنّی کانفرنس) کی داغ بیل ڈالی۔ اس کے لیے پہلے ناظم اعلیٰ صدر الافاضل مولانا سید نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ مقرر کیے گئے اور صدر حضرت محدث علی پوری پیر سید جماعت علی شاہ صاحب علیہ الرحمہ جو حضرت فاضل بریلوی کے محبین میں سے تھے۔[۳]

اہلِ سنّت و جماعت کی یہ عالمگیر تنظیم الجمعیۃ العالیۃ المرکزیہ (آل انڈیا سنی کانفرنس) کے حسبِ ذیل مقاصد تھے:

۱۔ ہندوستان کے سنّی مسلمانوں کی کثیر تعداد کے انتشار کو دور کر کے ان کی تنظیم کرنا اور انفرادی طور پر مذہبی کام کرنے والوں میں ایک ربط پیدا کر کے متحدہ قوت بنانا۔

۲۔ ہندوستان کے ہر شہر اور قصبات و دیہات میں اسلامی انجمنیں قائم کرنا اور موجودہ انجمنوں کو جمعیت عالیہ کے ساتھ مربوط کرنا۔

۳۔ تبلیغی کام کو ایک نظم محکم کے ساتھ، وسیع کرنا اور اس کے لئے مفید ذرائع اختیار کرنا۔

۴۔ تبلیغ کی تعلیم دینے کے لیے خاص مدارس کھولنا۔

۵۔ مذہبی تعلیم عام کر کے مسلمانوں کے ہر طبقے کو مذہب سے باخبر اور شائستہ بنانا۔

الف۔ انگریزی خواہ طلبہ کے لیے مذہبی تعلیم کا خاص اہتمام اور آسان ذرائع بہم پہنچانا۔

ب۔ مزدوروں اور پیشہ وروں کی تعلیم کے لیے مدارس شبینہ جاری کرنا۔

۶۔ مسلمانوں کو تجارت کی طرف مائل کرنا اور ان کی معاشرت میں اصلاح کرنا۔

۷۔ مسلمانوں سے قرض کی عادت چھڑوانا اور ایسی تدابیر کرنا کہ مسلمان اپنی ضرورتیں خود پوری کریں اور غیر اقوام کے سامنے قرض کے لیے ہاتھ پھیلانے کی ذلت سے محفوظ رہیں۔

۸۔ مقروض مسلمانوں کے لیے وہ تدابیر اختیار کرنا کہ وہ ایک محدود مدّت میں قرض سے سبک دوش ہو جائیں۔

۹۔ بے کار مسلمانوں کے لیے ذریعۂ معاش تجویز کرنا اور انہیں کام پر لگانا۔[۴]

چنانچہ الجمعیۃ العالیۃ المرکزیۃ کی تشکیل کے بعد ہندوستان کے طول و عرض میں اس کے کئی اور متعدد اجلاس ہوئے اور ان اجلاسوں میں بہت سی مفید قرار دادیں پاس کی گئیں۔ ۱۶ تا ۱۸ مئی ۱۹۲۷ء کو پوکھیرا (مظفر پور ضلع، صوبہ بہار) میں آل انڈیا سنی کانفرنس کا سہ روزہ اجلاس ہوا جس کے مستقل صدر مولانا حامد رضا خاں صاحب علیہ الرحمہ تھے اور صدرِ جلسہ مولانا سید محمد شاہ محدث کچھوچھوی علیہ الرحمہ۔ اس میں مذہبی، اقتصادی اور سیاسی اہمیت کی بہت سی قراردادیں پاس ہوئیں۔[۵]

۱۸ ستمبر ۱۹۲۸ء کو مراد آباد ہی میں ایک اور اجلاس ہوا جس میں نہرو کمیٹی کے خلاف قرار داد پاس ہوئی اور لازمی تعلیم کے ساتھ جزوی طور پر مذہبی تعلیم کو لازمی قرار دینے کے حق میں بھی قراردادیں پاس ہوئیں۔[۶] ۱۳۴۹ھ کے اجلاس میں آل انڈیا سنّی کانفرنس کی شاخ قائم کرنے کی قرار داد منظور کی گئی۔ آل انڈیا سنی کانفرنس کے اجلاس ملک کے طول و عرض میں کیے گئے اور اس کا مقصد وحید وہ تھا جس کا اظہار تاج العلماء حضرت مولانا مفتی محمد عمر نعیمی رحمۃ اللہ علیہ نے اس طرح کیا ہے: ''ہندوستان کے لیے مراعات طلب کرنے میں اگر ہندوؤں نے مسلمانوں کی پروا نہیں کی تو مسلمان اپنی آواز خود علیحدہ کیوں نہ اٹھائیں۔ اپنے لیے ضروری اور مناسب مراعات کیوں نہ طلب کریں اپنے حقوق کے مطالبہ سے کیوں زبان روکیں۔''[۷]

آل انڈیا سنّی کانفرنس کا آغاز ۱۹۲۵ء میں مراد آباد کی سرزمین پر جس سادگی سے ہوا، اس کا انجام ۱۹۴۶ء میں سرزمین بنارس میں نہایت ہی شاندار ہوا۔ جس نفسا نفسی کے عالم میں آل انڈیا سنّی کانفرنس قائم کی گئی، یوں کہہ لیجیے کہ اس عرصے میں سنّی کانفرنس کے رہ نما حضرات نے جمہور مسلمانوں کی تعلیم، معاشیات، معیشت، روحانیت اور پیش آنے والے سیاسی معاملات میں قابل قدر خدمات انجام دیں۔

۱۹۲۵ء کے بعد جب مطالبۂ پاکستان ایک خواب کی حد سے نکل کر حقیقت کا روپ اختیار کر رہا تھا، اس وقت آل انڈیا سنّی کانفرنس کے اکابر رہ نماؤں نے وقت کی نزاکت کو محسوس کیا اور تنظیم کو از سرِ نو منظم موثر اور ہمہ گیر بنانے میں دن رات ایک کر دیا، جس کے نتیجے میں آل انڈیا سنّی کانفرنس کا بنارس کا اجلاس منعقدہ اپریل ۱۹۴۶ء اہلِ سنّت و جماعت کے علما و مشائخ اور جمہور مسلمانانِ برّعظیم کی بے مثال تنظیم کا اظہار تھا۔ اسی اجلاس نے قرار دادِ پاکستان کی پُرزور حمایت کی،[۸] جس کے نتیجے میں ایک سال بعد اسلامی ریاست پاکستان کا عملی طور پر وجود ممکن ہوا۔ تاریخ پاکستان میں یہ اجلاس خاص اہمیت کا حامل ہے۔ حیرت ہے کہ اب تک محققین نے اس طرف توجہ نہیں کی۔

آل انڈیا سنّی کانفرنس کے ناظم اعلیٰ صدر الا فاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ اور سنّی کانفرنس کے دوسرے اکابر و

کارکنان نے ہندوستان کی سیاسی حالات کا گہری نظر سے مطالعہ کرنے کے بعد سنّی کانفرنس ہر صوبے میں اس کی شاخیں قائم کیں، جس سے سنّی کانفرنس کی، اہمیت و ضرورت کا احساس ہر طبقے خاص کر اہلِ سنّت میں پیدا ہوا۔ آل انڈیا سنّی کانفرنس کا نقطۂ عروج بنارس کی آل انڈیا سنی کانفرنس منعقدہ ۱۹۴۶ء، جو تقریباً چار روز تک جاری رہی، تحریکِ پاکستان میں نہایت مؤثر اور انقلاب انگیز ثابت ہوئے۔

ذیل میں اس کانفرنس مختصر روداد اور حالات پیش کیے جارہے ہیں:

۲۷ تا ۳۰ اپریل ۱۹۴۶ء بنارس میں آل انڈیا سنّی کانفرنس کے اجلاس منعقد ہوئے۔ اس کانفرنس کی صدارت محدّثِ علی پور حضرت پیر سیّد جماعت علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۹۵۱ء) نے فرمائی۔ اس اجلاس میں پاک و ہند کے تقریباً دو ہزار علما کرام اور ۶۰ ہزار دوسرے عام حاضرین شریک تھے۔[۹]

اس اجلاس کا خطبۂ صدارت حضرت مولانا شاہ سیّد محمد محدث کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۹۶۱ء) نے پڑھا۔ یہ خطبہ تاریخی اور سیاسی حیثیت سے نہایت ہی اہم ہے۔ ضرورت ہے کہ کوئی سنجیدہ مؤرخ و سیاست داں گہری نظر سے اس کا مطالعہ کرکے اس کی اصل قدر و قیمت سے محبانِ وطن کو آشنا کرے۔ اس میں پاکستان اور مسلمانوں کے معاشی و علمی و سیاسی مسائل کے بارے میں جن انقلاب انگیز اور صاف ستھرے خیالات کا اظہار کیا گیا ہے، وہ تو سب سے زیادہ توجہ کے قابل ہیں۔

آل انڈیا سنّی کانفرنس میں جو تجاویز منظور ہوئیں ان میں نظریۂ پاکستان کی خاص طور پر حمایت کی گئی ہے۔ چنانچہ ۲۹ اپریل ۱۹۴۶ء کو باغ فاطمہ میں جو اجلاس ہوا، اس میں پاکستان کے بارے میں مندرجہ ذیل قرار داد منظور کی گئی جو باتفاق آراء منظور ہوئی:

◉ آل انڈیا سنّی کانفرنس کا یہ اجلاس مطالبۂ پاکستان کی پُرزور حمایت کرتا ہے اور اعلان کرتا ہے کہ علماو مشائخ اہلِ سنّت اسلامی حکومت کے قیام کی تحریک کو کامیاب بنانے کے لیے ہر امکانی قربانی کے واسطے تیار ہیں اور یہ اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ ایک ایسی حکومت قائم کریں جو قرآن اور احادیث نبویہ کی روشنی میں، فقہی اُصول کے مطابق ہو۔

◉ اس اجلاس میں اسلامی حکومت کے لیے مکمل لائحہ عمل مرتب کرنے کے لیے حسب ذیل حضرات کی ایک کمیٹی بنائی جاتی ہے:

- ⊙ حضرت مولانا شاہ سیّد ابو الحامد سیّد محمد محدث اعظم ہند کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ
- ⊙ حضرت مولانا صدر الافاضل محمد نعیم الدین رحمۃ اللہ علیہ
- ⊙ حضرت مفتی اعظم ہند مولانا شاہ مصطفیٰ رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ
- ⊙ حضرت صدر الشریعہ مولانا محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ
- ⊙ حضرت مبلغ اعظم مولانا عبد العلیم صدیقی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ
- ⊙ حضرت مولانا عبد الحامد قادری بدایونی رحمۃ اللہ علیہ
- ⊙ حضرت مولانا سیّد شاہ دیوان آلِ رسول علی رحمۃ اللہ علیہ (اجمیر شریف)
- ⊙ حضرت مولانا ابو البرکات سیّد احمد رحمۃ اللہ علیہ (لاہور)
- ⊙ حضرت مولانا شاہ قمر الدین رحمۃ اللہ علیہ (سیال شریف)
- ⊙ حضرت پیر سیّد شاہ عبد الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ (سندھ)
- ⊙ خان بہادر حاجی بخشی مصطفیٰ (اعلیٰ مدراس)
- ⊙ حضرت مولانا ابو الحسنات سیّد محمد احمد رحمۃ اللہ علیہ (لاہور)

◉ یہ اجلاس کمیٹی کو اختیار دیتا ہے کہ مزید نمائندوں کا حسب ضرورت و مصلحت اضافہ کرے۔ یہ لازم ہوگا کہ اضافے میں تمام صوبہ جات کے نمائندے لیے جائیں۔[۱۰]۔۔۔

حوالہ جات

۱۔ تاریخ آل انڈیا سنّی کانفرنس، محمد جلال الدین قادری، ۱۹۹۹ء، ص:۵۔
۲۔ فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اور ترکِ موالات، پروفیسر محمد مسعود احمد، ۱۹۸۸ء، ص:۱۴۱۔
۳۔ تحریکِ آزادیٔ ہند اور السواد الاعظم، پروفیسر محمد مسعود احمد، ۱۹۸۷ء، ص:۲۴۵۔
۴۔ السواد الاعظم، ذیقعدہ ۱۳۴۵ھ (دار العلوم نعیمیہ)۔
۵۔ السواد الاعظم، ذی الحجہ، ۱۳۴۵ھ۔
۶۔ السواد الاعظم، جمادی الاوّل، ۱۳۴۷ھ۔
۷۔ ایضاً۔
۸۔ تاریخ آل انڈیا سنّی کانفرنس، جلال الدین قادری، ۱۹۹۹ء لاہور، ص:۱۴۔
۹۔ تاریخ آل انڈیا سنی کانفرنس، جلال الدین قادری، ۱۹۹۹ء لاہور، ص:۱۹۔
۱۰۔ تحریک آزادی ہند اور السواد الاعظم، ڈاکٹر مسعود احمد، ۱۹۸۷ء، ص:۲۹۔

☆☆☆☆☆

اذکار وانوارِ حدائقِ بخشش

شہزاد احمد (ریسرچ اسکالر، شعبہ علوم اسلامی، جامعہ کراچی)

پاک و ہند میں اردو نعتیہ شاعری پر حدائقِ بخشش کے بہت گہرے اثرات ہیں۔ پاک و ہند میں حدائقِ بخشش کے حوالے سے بہت زیادہ کام ہوئے ہیں۔ اب مولانا احمد رضا خاں پر ساری دنیا بالخصوص پاک و ہند میں ایم اے، ایم ایس، ایم فل اور پی ایچ ڈی کے مقالات ہی نہیں بلکہ ڈی لٹ یعنی پوسٹ ڈاکٹریٹ مقالے بھی لکھے جارہے ہیں۔ یہ تمام کام اپنی اپنی جگہ سرمایہ ہیں، مگر وہ حضرات کتنے خوش بخت ہیں کہ جنھوں نے ابتدا میں ہی اس کی ضرورت کو محسوس کر کے کام شروع کر دیا تھا۔ راقم نے ایسے ہی چند مقالہ نگاروں کی یاد کو تازہ کیا ہے۔ اُردو کے پورے نعتیہ ادب میں ہمیں کوئی دوسرا شاعر ایسا نظر نہیں آتا کہ جس نے اپنی نعتوں سے ایک زمانے کو سیراب کیا ہو، جس کے نعتیہ دیوان کی شروحات ایک تسلسل سے لکھی جارہی ہوں، جس کے سلام، بلاغت نظام پر آئے دن نئی نئی تضمینات سامنے آرہی ہوں۔ بلاشبہ پاک و ہند کے شعرائے کرام نے نعتیہ شاعری کو ہر حوالے سے دوام بخشا ہے۔

مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی ۱۸۵۷ء سے ایک سال پہلے یعنی ۱۴ جون ۱۸۵۶ء کو بریلی (انڈیا) میں پیدا ہوئے۔[1] آپ نے کُل ۶۵ سال کی عمر پائی۔ آپ کا وصال ۲۵ ر صفر المظفر ۱۳۴۰ھ / ۲۸ اکتوبر ۱۹۲۱ء کو بریلی (انڈیا) میں ہوا۔ اس حیاتِ مستعار میں آپ نے ۵۵ علوم وفنون سے سیرابی حاصل کی۔ ایک ہزار سے زیادہ کتب چھوٹی بڑی، عربی، فارسی اور اُردو زبانوں میں یادگار چھوڑی ہیں۔[2] یوں تو آپ کے تمام کام ہی لائق تبریک ہیں، مگر خصوصیت کے ساتھ قرآن پاک کا اُردو ترجمہ "کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن"، فتاویٰ رضویہ کی ۱۲ جلدیں "العطایا النبویہ فی الفتاویٰ الرضویہ" (جو تخریج کے ساتھ ۳۰ جلدوں میں شائع ہو چکا ہے) اور آپ کا نعتیہ دیوان "حدائقِ بخشش" قابلِ ذکر ہیں۔ سرِدست ہماری فکر کا محور صرف "حدائقِ بخشش" ہے۔

"حدائقِ بخشش" یقیناً اسرارِ نعت کا بیش بہا خزینہ ہے۔ حدائقِ بخشش کا مطالعہ کرنے والے کبھی تشنہ کام نہیں رہتے۔ اگر میں یہ کہوں تو بہت مناسب ہوگا کہ "حدائقِ بخشش" وہ پہلا زینہ ہے جو اپنے شائق کو بارگاہِ رسالت ﷺ میں لے جاتا ہے۔ جب شائق اس بارگاہِ عشق میں داخل ہو جاتا ہے تو یہاں پر اسے وہ سب کچھ مل جاتا ہے جس کی اُسے تلاش ہوتی ہے۔ اس طرح سے یہ پہلا زینہ اُس کے لیے آخری زینہ ثابت ہوتا ہے۔ پہلے زینے سے تربیت شروع ہو جاتی ہے۔ اُسے تمام انبیائے کرام، صحابہ کرام، اہلِ بیت اطہار، تابعین وتبع تابعین اور اولیائے کاملین و بزرگانِ دین کی محبت سے سرشار کر دیا جاتا ہے۔

حدائقِ بخشش (۱۳۲۵ھ / ۱۹۰۷ء)

حدائقِ بخشش، آپ کا نعتیہ دیوان تین حصوں پر مشتمل ہے، جس میں اُردو کے علاوہ فارسی اور عربی میں بھی نعتیں شامل ہیں۔ آپ کا نعتیہ کلام کافی شہرت کا حامل ہے۔ جیسے جیسے شعبۂ نعت کو فروغ مل رہا ہے آپ کی نعتیہ شاعری کی پزیرائی بھی روزافزوں ہے۔ حدائقِ بخشش کا سالِ تصنیف ۱۳۲۵ھ / ۱۹۰۷ء ہے۔ اس نعتیہ دیوان کو ایک صدی سے زیادہ کا عرصہ گزر چکا ہے۔ ایک صدی گزر جانے کے باوجود یہ نعتیہ دیوان مقبولیت کی بلندیوں کو چھو رہا ہے۔ اس کے اثرات روز بروز نمایاں تر ہوتے جارہے ہیں۔ اس کی مختلف جہتوں پر صاحبانِ فکر و نظر نے اپنے اپنے انداز میں کام کیا ہے۔ حدائقِ بخشش کی شروحات بھی لکھی گئی ہیں۔ حدائقِ بخشش کی نعتوں پر تضمینات نگاری ایک تسلسل کے ساتھ جاری ہے۔ بعض شعرائے کرام نے سلامِ رضا (مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام) کی تضمین نگاری پر خصوصیت کے ساتھ توجہ دی ہے۔ اس کے علاوہ نعتیہ دیوان حدائقِ بخشش کے فکر و فن اور شعر و سخن پر صاحبانِ شعر وادب نے مبسوط مقالات قلم بند کیے ہیں۔

سرِدست ہمارا موضوع صرف حدائقِ بخشش کے حولے سے ہونے والے چند نمایاں کاموں کو سامنے لانا ہے، جو بنیادی اہمیت کے

حامل ہیں۔ آئندہ ہم حدائق بخشش کے لفظی مفہوم کو دیکھیں گے۔

حدائق بخشش کا لفظی مفہوم

"حدائق" عربی زبان کا لفظ اسم اور مذکر ہے۔ حدائق کے معنیٰ حدیقہ کی جمع باغات ہیں۔[۳] جب کہ "بخشش" فارسی زبان کا لفظ اسم اور مونث ہے۔ بخشش کے معنیٰ انعام، عطیہ، معافی، عفو، درگزر کے ہیں۔[۴] حدائق بخشش کے مرادی معنیٰ یہ ہوئے کہ ایسے باغات جو انعام اور عطیہ ہیں معافی عفو اور درگزر کا۔ یعنی "حدائقِ بخشش" بلاشبہ بخشش کے باغات کا ایک جہان ہے۔ حدائقِ بخشش کے لفظی مفہوم کے بعد اب حدائقِ بخشش کی طباعت کو دیکھا جائے گا۔

حدائقِ بخشش کی طباعت واشاعت

سب سے پہلے حدائق بخشش کی طباعت و اشاعت کے بارے میں شمس بریلوی کی رائے آپ کے سامنے پیش کی جائے گی۔ "جب میں نے اس تحقیقی جائزے کو شروع کیا تو حدائق بخشش کا جو مطبوعہ نسخہ ملا (کہ بازار میں صرف یہی ایک مطبوعہ نسخہ ہے) وہ بے شمار اغلاط سے پُر ہے، میرے پاس یا میرے احباب میں سے کسی کے پاس حضرت رضاؔ کے کلام کا کوئی قلمی نسخہ موجود نہیں ہے اور نہ بریلی سے آپ کے سجادہ نشین حضرت مولانا مولوی مفتی اعظم شاہ مصطفی رضا خاں صاحب دام برکاتہٗ سے کسی ایسے نسخے کے ملنے کا امکان تھا اس لیے مجبوراً اس راہ میں بھی اپنی فکر کا سہارا لیا۔"[۵]

شمس بریلوی حدائق بخشش کے بارے میں مزید معلومات فراہم کرتے ہوئے کہتے ہیں "حضرت رضا قدس سرہٗ کے وصال کے بعد مکتبہ رضویہ بریلی کے کارپردازوں نے اس کی ترتیب و تدوین کی طرف توجہ کی اور ان ہی کی مساعی سے یہ دیوان زیورِ طبع سے آراستہ ہوا۔ بس جیسا اُن کی سمجھ میں آیا اس طرح اس کو مرتب کر دیا اور جیسا کہ ہماری شخصیت پرستی کا شیوہ رہا ہے، حضرت رضاؔ کے دیوان کی صحیح اور ادبی ترتیب کی طرف آج تک کسی نے توجہ نہیں کی۔"[۶]

مندرجہ بالا رائے کی روشنی میں یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ مولانا احمد رضا خاں بریلوی کا نعتیہ دیوان حدائق بخشش ان کی زندگی میں شائع نہیں ہوا۔ مولانا احمد رضا بریلوی کی نعتیہ شاعری پر سب سے پہلا سیر حاصل اور مبسوط مقالہ لکھنے کا شرف شمس بریلوی کو حاصل ہے۔ مقالہ نگار خانوادۂ اعلیٰ حضرت کے صحبت یافتہ تھے۔ ان کا زیادہ تر وقت انہی حضرات کی معیت میں گزرا تھا۔ یہ نسبت اور تعلق کسی دوسرے قلم کار کو حاصل نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شمس بریلوی کی رائے میں زیادہ وزن ہے۔ حدائق بخشش کے حوالے سے شمس بریلوی کی تحقیق درست دکھائی دیتی ہے۔

اب ایک اور محقق پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد کی رائے کو دیکھا جائے گا۔ حدائق بخشش کے حوالے سے پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد کی رائے بھی یہی ہے کہ حدائق بخشش حضرت رضا خاں بریلوی کی زندگی میں نہیں چھپا۔ ڈاکٹر مسعود صاحب فرماتے ہیں: "حدائق بخشش حصّۂ دوم حضرت رضا بریلوی کی زندگی میں نہیں چھپا بلکہ) ۱۳۴۰ھ / ۱۹۲۱ء) کے بعد مرتب کر کے شائع کیا گیا۔ ترقیمے میں اس کی صراحت اس طرح کر دی گئی ہے: اس حصے میں تمام وہ نظمیں جمع کر دی گئی ہیں جن کی خود نظم و ترتیب کے وقت وصیت فرمائی تھی۔ ابھی بڑا حصہ کلام کا باقی ہے جو بچپن کا کلام ہے اور دیگر مشاغل علمیہ کے سبب اس پر نظر ثانی نہ فرما سکے۔ میں اس کلام کو شائع کر کے یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ ان کا بچپن دوسروں کے شباب سے بڑھ چڑھ کر تھا۔"[۷] پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد نے حدائق بخشش (۱۳۲۵ھ / ۱۹۰۷ء) کے حصّۂ دوم کا طبعِ اوّل (مطبوعہ حسنی پریس، بریلی ناشر و طابع مولانا حسنین رضا خاں، حدائق بخشش حصّۂ اوّل کا قدیم نسخہ مطبوعہ بریلی اور حصّۂ سوم کا قدیم نسخہ مطبوعہ بدایوں کا بھی ذکر کیا ہے، مگر سالِ اشاعت پر کوئی روشنی نہیں ڈالی۔ البتہ ۱۳۴۰ھ / ۱۹۲۱ء یعنی وصال کے بعد مرتبہ دیوان کا ذکر کیا ہے۔

حدائق بخشش کی مندرجہ بالا رائے سے حضرت شمس بریلوی کی رائے کی تائید ہو رہی ہے۔ ڈاکٹر مسعود صاحب کی رائے بھی بہت اہمیت کی حامل ہے۔ واضح رہے کہ ہر دو حضرات ماہر رضویات اور ثقہ حضرات کی فہرست میں شامل تھے۔ ہر دو حضرات کی زندگی فکر رضا یعنی عشق رسول (ﷺ) کی ترویج و اشاعت میں بسر ہوئی ہے۔

اب ہم ایک اور محقق مولانا عبدالحکیم شرف قادری مرحوم

کو دیکھیں گے۔ مولانا عبدالحکیم شرف قادری مرحوم اپنے ایک مضمون "امام احمد رضا بریلوی اور حدائق بخشش (حصۂ سوم)" میں فرماتے ہیں (مولانا صاحب نے "۲۶ صفر المظفر" لکھ دیا ہے جب کہ درست ۲۵ صفر المظفر ہے) "۲۶ صفر المظفر ۱۳۴۰ھ / ۱۹۲۱ء کو امام احمد رضا بریلوی کا وصال ہوا، اس وقت تک ان کا بہت سا عربی، فارسی اور اُردو کلام مطبوعہ کتابوں اور (غیر مطبوعہ) بیاضوں میں بکھرا پڑا تھا اسے جمع کرنے کی طرف مولانا حسن رضا خاں حسنؔ بریلوی نے توجہ فرمائی اور مختلف غزلیں، قصیدے اور اشعار بغیر کسی ترتیب کے ایک مجموعے میں جمع کیے۔ پھر یہ مجموعہ بھی بریلی سے غائب ہو گیا۔"

مفتیِ اعظم مولانا مصطفیٰ رضا خاں فرماتے ہیں: "پھر یہ مجموعہ بھی غائب ہو گیا۔ میں بہت ہی کم عمر تھا جب یہ مجموعہ میں نے دیکھا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ بدایوں کے بعض اصحاب آئے، مجھ سے مجموعہ دیکھنے کو لیا پھر وہی بدایوں لے گئے یا کیسے غائب ہوا؟ معلوم نہیں۔ وہی مارہرہ شریف پہنچا، یا اس کی نقل اور کب پہنچی؟"[8] حدائق بخشش کے حوالے سے مولانا حسن رضا خاں بریلوی کا توجہ فرمانا۔ مختلف غزلیں، قصیدے اور اشعار بغیر کسی ترتیب کے ایک مجموعے میں جمع کرنا اور پھر اس مجموعے کا بریلی سے غائب ہو جانا، پھر مولانا مصطفیٰ رضا خاں بریلوی نوری کا بیان کہ یہ کیسے غائب ہوا؟ یہ تمام باتیں اس بات کی علامت ہیں کہ حدائق بخشش مولانا احمد رضا خاں بریلوی کی حیات میں شائع نہیں ہوا اور نہ ہی اس کی ترتیب مولانا احمد رضا بریلوی کی از خود کردہ ہے۔

اب ہم آئندہ ایک اور محقق، فاضل مقالہ نگار ڈاکٹر فضل الرحمن شرر مصباحی کو دیکھیں گے۔ ڈاکٹر فضل الرحمٰن شرر مصباحی (ریڈر، یونیورسٹی نئی دلّی، انڈیا) نے مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے نعتیہ کلام حدائق بخشش کی از سرِ نو تصحیح و تقدیم کا فریضہ انجام دیا ہے۔ "حدائق بخشش کا فنی و عروضی جائزہ" بھی پیش کیا ہے۔ اپنے جائزے میں ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں: "خوش نصیبی سے اس وقت ہمارے سامنے وہ مبارک نسخہ موجود ہے جو حضور فاضل بریلوی کی حیات میں حضرت صدر الشریعہ کی زیرِ نگرانی شائع ہوا تھا۔۔۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت امام کی حیات مقدسہ میں حدائق بخشش کی طباعت کم از کم دو بار ہو چکی تھی۔ لہٰذا یہ کہنا عقلاً و نقلاً کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے کہ حدائق بخشش (اوّل) کی تدوین کا کام حضرت امام کی حیات میں نہیں ہوا تھا۔"[9] ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب نے اپنی بات کی تائید میں فتاویٰ رضویہ جلد ۱۲ کے حوالے سے ایک استفتا (استفسار) یعنی مسئلہ اور جواب دونوں کا ذکر کیا ہے۔ شرر صاحب نے مولانا احمد رضا صاحب کی حیات میں طباعت کم از کم دو بار کا ذکر کیا ہے۔ ان دونوں اشاعتوں کی سالِ اشاعت کا کہیں ذکر نہیں کیا۔ اپنی بات کو گمان غالب سے سہارا دینے کی کوشش کی ہے۔ یقیناً یہ بات بھی اپنے پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی اگر حدائق بخشش کے سالِ اشاعت کے ہونے یا نہ ہونے کا ذکر کر دیا جاتا۔

لہٰذا میری تحقیق کے مطابق مولانا احمد رضا بریلوی کا نعتیہ دیوان حدائق بخشش ان کی زندگی میں نہیں چھپا۔ اگر اس بات کو درست بھی مان لیا جائے تو پھر بھی اس دیوان کی درست اور ادبی ترتیب سوالیہ نشان بنی رہے گی۔ اس کی درست اور ادبی ترتیب کی ایک جھلک شمسؔ بریلوی کی مرتب کردہ حدائق بخشش کی ترتیب نو میں دیکھی جا سکتی ہے۔ جسے دنیائے سنّیت میں کوئی پزیرائی حاصل نہ ہو سکی۔ اب حدائق بخشش کے مطبوعہ نسخوں کو دیکھا جائے گا۔

حدائق بخشش کے مطبوعہ نسخے

حدائقِ بخشش کے مختلف مطبوعہ نسخے اکثر گاہے بگاہے شائع ہوتے رہے ہیں۔ اس وقت میرے پیش نظر ۲۷ نومبر ۱۹۲۶ء کا "حدائق بخشش" (بار سوم) کا نسخہ موجود ہے، جسے رضوی کتب خانہ و دفتر حسنی پریس بریلی نے محمد حسنین رضا خاں ابن مولانا حسن مرحوم کی نگرانی میں شائع کیا ہے۔ حدائق بخشش کے حصۂ اوّل کے شروع کے ۴ صفحات موجود نہیں ہیں۔ صفحہ نمبر ۵ سے اس کا آغاز ہوا ہے۔ اس کے حصۂ دوم پر ۱۰۰۰ جلد، بار سوم اور کاتب بدر رقم نے ۲۷-۱۱-۱۹۲۶ کی تاریخ رقم کی ہے۔ دونوں حصوں کے ۸۰، ۸۰ صفحات ہیں۔ یہ حدائق بخشش دو حصوں اور ۱۶۰ صفحات پر مشتمل ہے۔[10] یہ حدائق بخشش مجھے صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری کی ذاتی لائبریری سے دیکھنے کو ملی تھی۔ اب رضا اکیڈمی بمبئی انڈیا کی شائع شدہ حدائق بخشش کو دیکھا جائے گا۔

حدائق بخشش رضا اکیڈمی بمبئی (انڈیا) نے آرٹ پیپر پر چار

رنگوں میں دیدہ زیب انداز سے شائع کی ہے۔ اسی حدائقِ بخشش میں ڈاکٹر فضل الرحمن شرر مصباحی کا تحریر کردہ "حدائقِ بخشش کا فنی و عروضی جائزہ" بھی شامل ہے۔۳۶۸ صفحات پر مشتمل یہ حدائقِ بخشش جولائی ۱۹۹۷ء میں شائع کی گئی ہے۔[۱۱] کتاب کے ہر صفحے پر خوش نما اور شان دار بارڈر خوبصورتی میں مزید چار چاند لگا رہا ہے۔ پیلی زمین پر حدائقِ بخشش کے الفاظ 'اسود' رنگ میں بہت واضح ہیں۔ جس سے کتاب کے حسن میں مزید اضافہ ہو رہا ہے۔ راقم نے رضا اکیڈمی بمبئی کی جانب سے شائع ہونے والی حدائقِ بخشش کی تسامحات کی جانب اشارا کیا ہے۔ اس نشان دہی کا مطلب دل آزاری یا حوصلہ شکنی نہیں بلکہ آئندہ ان اغلاط کو روکنا مقصود ہے۔ ان اغلاط کی ترویج کی جانب بھی کچھ اشارے کر دیے ہیں تاکہ انھیں بھی روکا جاسکے۔ ڈاکٹر فضل الرحمن شرر مصباحی کا فاضلانہ اور ادیبانہ فنی وعروضی جائزہ ایک تاریخی کام ہے۔ اس کی جتنی بھی ستائش کی جائے کم ہے۔ فاضل مقالہ نگار نے فنی اور عروضی حوالے سے شعری نکات کو شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا ہے۔

رضا اکیڈمی بمبئی کے بعد اب ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا، کراچی کی مطبوعہ حدائقِ بخشش کو دیکھا جائے گا۔ حدائقِ بخشش (حصّۂ اوّل و دوم) ادارہ تحقیقاتِ امام احمد رضا، پاکستان، کراچی نے شائع کی ہے جس پر یہ عبارت جلی انداز سے تحریر ہے "اغلاط سے مبرا جدید ایڈیشن"۔ یہ حدائقِ بخشش بھی رضا اکیڈمی بمبئی سے شائع ہونے والی کتاب کا پرتو ہے۔ اس کے تصحیح نگار بھی ڈاکٹر فضل الرحمن شرر مصباحی ہیں۔۲۸۸ صفحات پر مشتمل یہ حدائقِ بخشش ۱۹۹۹ء میں شائع کی گئی ہے۔[۱۲] "اغلاط سے مبرا جدید ایڈیشن" ہماری توجہ کا مرکز ہے۔ بانی رضا اکیڈمی بمبئی محمد سعید نوری نے حدائقِ بخشش کے "پیش لفظ" میں پوری دنیا میں حدائقِ بخشش کا صحیح نسخہ قرار دیا تو ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا، کراچی نے اِسے "اغلاط سے مبرا جدید ایڈیشن" قرار دے دیا۔ مکتبۃ المدینہ کراچی نے بھی اسی روایت کو آگے بڑھاتے ہوئے اسے شائع کر دیا ہے۔ اب وہی اغلاط کتابی انداز میں محوِ سفر ہیں جو رضا اکیڈمی بمبئی کی شائع کردہ حدائقِ بخشش میں تھیں۔ ان اداروں سے ہماری مؤدبانہ درخواست ہے کہ آئندہ شائع ہونے والے ایڈیشن میں ان اغلاط کو درست کر دیا جائے تو یہ بھی ایک عظیم خدمت ہوگی۔

اب ایک اور حدائقِ بخشش مطبوعہ مکتبۃ المدینہ کو دیکھا جائے گا۔ حدائقِ بخشش (حصّۂ اوّل و دوم) مکتبۃ المدینہ شہید مسجد کھارادر کراچی نے بھی شائع کی ہے۔ دونوں حصے ۳۰۸ صفحات پر مشتمل ہیں۔ سالِ اشاعت ندارد ہے۔ حدائقِ بخشش کے اندرونی صفحات میں پہلے صفحہ پر حدائقِ بخشش (کامل) اور تذکرہ امام احمد رضا کے بعد صفحہ نمبر ۱۳ پر حدائقِ بخشش (مکمل) کے الفاظ درج ہیں۔ یہ حدائقِ بخشش کسی طور پر بھی کامل اور مکمل نہیں ہے۔ اس میں حصّۂ سوم کی نعتیں بھی شامل نہیں۔ یہ بھی حدائقِ بخشش کا وہی نسخہ ہے جس کے تصحیح نگار ڈاکٹر فضل الرحمن شرر مصباحی ہیں۔[۱۳] مگر یہاں پر ڈاکٹر شرر صاحب کا نام نہیں دیا گیا ہے کیونکہ اس میں بھی وہی اغلاط ہیں جو حدائقِ بخشش رضا اکیڈمی بمبئی اور ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا کراچی میں شامل ہیں۔ اس حدائقِ بخشش کے اندرونی سرورق پر مولانا احمد رضا بریلوی کی غلط سالِ وفات کا ذکر ہے۔ اس صفحہ کی عبارت دیکھیے۔ "(المتوفی ۱۳۴۰ھ بمطابق ۱۹۴۱ء)" ابتدا میں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے یہ غلطی سہواً ہو گئی ہے، مگر اس کتاب میں حدائقِ بخشش کی نعتوں سے پہلے "تذکرہ امام احمد رضا" کے نام سے تفصیلی تعارف موجود ہے۔ اسی تذکرے میں آگے چل کر صفحہ ۱۰ پر وفات "حسرتِ آیات" کے عنوان سے سال وفات کو پھر اسی انداز سے دُہرایا گیا ہے۔) ۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ /۱۹۴۱ء) وصال کی درست تاریخ ملاحظہ کیجیے۔ "وصال ۲۵ صفر المظفر ۱۳۴۰ھ /۲۸ اکتوبر ۱۹۲۱ء بریلی ہے۔"

حدائقِ بخشش کے مختلف مطبوعہ نسخے آپ نے دیکھے۔ اب آئندہ حدائقِ بخشش کی بعض تسامحات کو دیکھا جائے گا۔

حدائقِ بخشش کی بعض تسامحات

حدائقِ بخشش (مطبوعہ، رضا اکیڈمی بمبئی، جولائی ۱۹۹۷ء) میں دو تسامحات وہ ہیں کہ جن کی نشاندہی بہت ضروری ہے تاکہ آئندہ اشاعت میں اس کی درستگی ہوسکے۔ یہ دونوں اغلاط ایسی ہیں کہ جن سے کلامِ رضا کا حسن ماند پڑ رہا ہے۔ کتاب یقیناً سفر کرتی ہے۔ اس کے ناجانے کتنے ایڈیشن شائع ہو کر پوری دنیا میں پہنچ چکے ہوں گے۔ جب کہ اس کے تتبع میں کئی اداروں نے متذکرہ ایڈیشن کو چھاپ

بھی دیا ہے۔ ہنوز یہ سلسلہ دراز ہے۔

اولاً حدائق بخشش کے صفحہ ۵۵ پر اعلیٰ حضرت کی یہ نعت شائع ہوئی ہے:

پھر کے گلی گلی تباہ ٹھوکریں سب کی کھائے کیوں
دل کو جو عقل دے خدا تیری گلی سے جائے کیوں

اس نعت کا قافیہ کھائے، جائے، اٹھائے، جگائے ہے جبکہ اس کی ردیف "کیوں" ہے۔ مطبوعہ حدائق بخشش میں تیسرا شعر اس طرح سے درج ہے۔ خط کشیدہ لفظ کو غور سے دیکھیں:

بار نہ تھے حبیب کو پالتے ہی غریب کو
روئیں جواب نصیب کو چین کہو گنوائیں کیوں

اس شعر میں قافیہ بدل کر "گنوائیں" ہو گیا ہے۔ جب کہ اس کا قافیہ "گنوائے" ہونا چاہیے۔ کیونکہ مکمل نعت ایک ہی قافیہ و ردیف کھائے کیوں، جائے کیوں میں ہو رہی ہے۔ تو اسے بھی "گنوائے کیوں" ہونا چاہیے۔

ثانیاً حدائق بخشش کے صفحہ 110 پر یہ نعت شائع ہوئی ہے۔

عرش کی عقل دنگ ہے چرخ میں آسمان ہے
جانِ مُراد اب کدھر ہائے تیرا مکان ہے

اسی نعت میں آگے صفحہ ۱۱۱ پر آٹھواں شعر ان الفاظ میں درج ہے:

تجھ سا سیاہ کار کون اُن سا شفیع ہے کہاں
پھر وہ تجھی کو بھول جائیں دل یہ ترا گمان ہے

خاکم بدہن خط کشیدہ لفظ کی وجہ سے یہ شعر ذو معنیٰ ہو گیا ہے۔ یہاں پر اعلیٰ حضرت کا مقصود ہے "مجھ سا سیاہ کار کون، اُن سا شفیع ہے کہاں" حدائق بخشش کے دیگر نسخوں میں لفظ "مجھ" بھی درج ہے۔ راقم کی تحقیق کے مطابق یہاں لفظ "مجھ" ہی درست ہے۔ اس ضمن میں مزید دو حوالے پیش کر رہا ہوں۔

اس نعت میں لفظ "مجھ" استعمال کرنے والوں میں دو نام شامل ہیں۔ اوّلاً حضرت شمس بریلوی نے اپنی مرتبہ حدائق بخشش (مطبوعہ، مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی، ۱۹۷۶ء) کے صفحہ نمبر ۱۳۸ اور ثانیاً، "سخن رضا مطلب ہائے حدائق بخشش" کے شارح مولانا صوفی محمد اوّل قادری (مطبوعہ مکتبہ دانیال، اُردو بازار لاہور، ۱۹۹۲ء) نے صفحہ ۱۹۷ پر لفظ "مجھ" ہی استعمال کیا ہے۔ یہی لفظ موقع محل اور شعری ضرورت کے حوالے سے درست دکھائی دیتا ہے۔ ڈاکٹر فضل الرحمٰن شرر مصباحی کی مرتبہ حدائق بخشش کے علاوہ اور بھی اداروں سے شائع ہونے والی حدائق بخشش میں لفظ "تجھ" ہی کی کارفرمائی موجود ہے۔

حدائق بخشش کی بعض تسامحات کے بعد اب آئندہ حدائق بخشش کے حوالے سے ہونے والے مختلف النوع کاموں کو دیکھا جائے گا۔

حدائق بخشش اور شانِ رسالت

"حدائق بخشش" کا عمیق و سرسری مطالعہ درحقیقت رسول اکرم ﷺ کی بارگاہ میں لے جاتا ہے۔ شانِ رسالت ﷺ جب بہ زبانِ اعلیٰ حضرت بیان ہوتی ہے۔ تو اس کے آثار و ثمرات ضرور نمایاں ہوتے ہیں۔ "حدائق بخشش" کے فیوض و برکات جن حضرات پر آشکارا ہوئے۔ اُن کی ایک طویل فہرست ہے۔ اِن حضرات میں سے صرف چند کے نام اُن کے کام کی روشنی میں پیشِ خدمت ہیں۔ یہ وہ قابلِ قدر ہستیاں ہیں کہ جنہیں حقیقی شہرت اس نعتیہ کلام "حدائق بخشش" کے وسیع مطالعہ اور مستقل غواصی سے حاصل ہوئی ہے۔ حدائق بخشش کے حوالے سے اب ہم اس سلسلے میں ہونے والے اوّلین کام دیکھیں گے۔

وثائقِ بخشش (حصّۂ اوّل) شرح حدائق بخشش۔ فروری ۱۹۷۶ء

وثائقِ بخشش (حصّۂ اوّل) شرح حدائق بخشش مولانا ابوالظفر غلام یٰسین رازؔ امجدی اعظمی مرحوم کی تصنیفِ لطیف ہے، جس کے ناشر مکتبہ امجدیہ دارالعلوم قادریہ رضویہ ملیر سعود آباد کراچی ہیں۔ فروری ۱۹۷۶ء میں شائع ہونے والی یہ شرح ۲۸۶ صفحات پر مشتمل ہے۔[۱۴]

مفتی غلام یٰسین رازؔ امجدی اپنی شرح وثائق بخشش کے "دیباچہ" میں رقم طراز ہیں: "فاضل بریلوی کے نعتیہ دیوان حدائق بخشش کی شرح اپنے چند طلبہ کے اصرارِ پیہم پر چند اشعار کی شرح اپنے اساتذہ کے پسند فرمانے کے بعد شروع کی، جس میں مجھے کافی کاوشیں کرنی پڑیں۔ میں نے کوشش کی ہے کہ اعلیٰ حضرت کے کلام کا مفہوم آسانی سے سمجھا جاسکے۔"[۱۵]

مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے نعتیہ دیوان حدائق بخشش کے حوالے سے یہ پہلی شرح ہے، جس کے منتخب اشعار و "ثائق

بخشش شرح حدائق بخشش'' کے نام سے سامنے آئے۔ اشعار کی شرح کے حوالے سے مفتی رازؔ امجدی نے اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے نہایت جامع انداز میں اپنے خیالات کو پیش کیا ہے۔ حدائق بخشش کی تفہیم کے حوالے سے یہ اوّلین کاوش انفرادیت کی حامل ہے۔ وثائق بخشش (حصّۂ اوّل) شرح حدائق بخشش منتخب اشعار کی شرح ہونے کے باوجود کافی حدتک حدائق بخشش کی فکر سے آشنا کر دیتی ہے۔

وثائق بخشش شرح حدائق بخشش کے بارے میں مولانا عبدالمصطفیٰ ماجدؔ الازہری مرحوم اپنی ''تقریظ مبارک'' میں فرماتے ہیں: ''میں نے بھی اس شرح کو سنا ہے اور خیال ہے کہ معانی و مطالب سمجھانے کی یہ پہلی کامیاب کوشش ہے۔ شعرا، ادبا اس پر تنقیدی و تعمیری نظر ڈال کر بہترین رہ نمائی کرسکتے ہیں۔''[۱۶] وثائق بخشش شرح حدائق بخشش بلاشبہ اپنے موضوع کے حوالے سے عمدہ کوشش ہے۔ جس کی اوّلیت کا افتخار اور اختصار ہر دور میں نمایاں رہے گا۔

اب حدائقِ بخشش کے ضمن میں ایک اور فاضل محقق ڈاکٹر طلحہ رضوی برق کو دیکھا جائے گا۔ ڈاکٹر طلحہ رضوی برق اپنی کتاب ''اُردو کی نعتیہ شاعری/ ۱۹۷۴ء'' میں حدائق بخشش کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار یوں فرماتے ہیں ''آپ کی 'حدائق بخشش' ہر دو حصص ایک ایسی متاعِ بے بہا ہے جس پر اُردو شاعری ہمیشہ ناز کرے گی۔ حضرت رضا کی نعتیں سادہ، سہل، عام فہم، سوز و گداز قلب اور عاشقانہ جذبات سے مملو ہوتی ہیں۔ فنی نقطۂ نظر سے بھی مشکل زمینوں میں بندش و تراکیب اور قدرتِ فن کا سارا حسن رکھتی ہے۔''[۱۷]

کلام رضا کا تحقیقی اور ادبی جائزہ۔ جولائی ۱۹۷۶ء

کلام رضا کا تحقیقی اور ادبی جائزہ حضرت شمس بریلوی مرحوم کی تصنیف ہے۔ جسے مدینہ پبلشنگ کمپنی ایم اے جناح روڈ کراچی نے شائع کیا ہے۔ جولائی ۱۹۷۶ء میں شائع ہونے والی یہ کتاب ۲۷۵ صفحات پر مشتمل ہے۔[۱۸]

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے نعتیہ کلام کا تحقیقی اور ادبی جائزہ معروف جائزہ نگار شمس بریلوی کی ندرت نگاری کا آئینہ دار ہے، جس میں مولانا احمد رضا خاں بریلوی کی نعتیہ شاعری کے ہر پہلو کو نمایاں اور اس کے ادبی مقام کو پیش کیا گیا ہے۔ اس تحقیقی اور ادبی جائزے کی انفرادیت یہ ہے کہ اس میں نعتیہ کلام پر جائزے کے علاوہ حدائق بخشش کامل اور حصّۂ سوم کے منتخبات بھی شائع کیے گئے ہیں۔ اس مقالے کی دوسری خصوصیت یہ بھی ہے کہ یہ اعلیٰ حضرت کی نعتیہ شاعری پر سب سے پہلا مقالہ ہے، جس میں فکرِ رضا کی انفرادیت اور نعتیہ سرمایہ شعر و سخن کو نئے انداز میں پیش کیا گیا ہے، جس سے مقالہ نگار کی موضوع سے مطابقت بھی ظاہر ہوتی ہے۔ حضرت شمس بریلوی اپنے مقالے کی بابت کہتے ہیں: ''میں نے بقدر سلیقہ اور اپنے مبلغ علم کے سہارے کچھ عنوانات قائم کر کے انہی عنوانات کے تحت آپ کی شاعری کا جائزہ لیا ہے اور حضرت احمد رضا خاں بریلوی کی نعتیہ شاعری کے ہر ہر پہلو پر تفصیل سے لکھا ہے اور اس ادبی جائزے میں میں منفرد ہوں کہ اعلیٰ حضرت کی شاعری اور حضرت احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہ کی ''نعتیہ شاعری'' نامی کتابچوں نے جو ایک سرسری تعارف کی رسم ادا کی تھی میں نے اس کے تکملہ کی کوشش کی ہے۔''[۱۹] مندرجہ بالا سطور کی روشنی میں یہ بات حقیقت سے قریب ہے کہ فاضل مقالہ نگار نے اپنے منتخب کردہ موضوع کا حق ادا کیا ہے؛ جب کہ اعلیٰ حضرت کی نعتیہ شاعری کے حوالے سے بعض نئے گوشوں کو بھی اجاگر کیا ہے۔ اعلیٰ حضرت کی نعتیہ شاعری پر کام کرنے والوں کے لیے یہ مقالہ سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔

اس سلسلے میں اب ایک اور بالغ نظر نقاد و ادیب پروفیسر ڈاکٹر فرمان فتح پوری کو دیکھا جائے گا۔ پروفیسر ڈاکٹر فرمان فتح پوری اپنی کتاب ''اُردو کی نعتیہ شاعری/ ۱۹۷۴ء'' میں رقم طراز ہیں: ''مولانا صاحبِ شریعت بھی تھے اور صاحبِ طریقت بھی۔ صرف نعت و سلام اور منقبت کہتے تھے اور بڑی دردمندی و دل سوزی کے ساتھ کہتے تھے۔ سادہ و بے تکلف زبان اور برجستہ و شگفتہ بیان ان کے کلام کی نمایاں خصوصیات ہیں۔ ان کے نعتیہ اشعار اور سلام سیرت کے جلسوں میں عام طور پڑھے اور سنے جاتے ہیں۔''[۲۰]

امام نعت گویاں۔ ۱۹۷۷ء

''امام نعت گویاں'' سید محمد مرغوب المعروف مولانا اختر الحامدی ضیائی

مرحوم کی تصنیف ہے، جسے مکتبۂ فریدیہ جناح روڈ ساہیوال نے شائع کیاہے۔۱۹۷۷ء میں شائع ہونے والی یہ کتاب ۱۴۴ صفحات پر مشتمل ہے۔[۲۱]

متذکرہ مقالہ مولانا احمد رضاخاں بریلوی کے نعتیہ کلام کی فنّی خوبیوں پر مشتمل ہے۔ یہ مقالہ صفِ اوّل کے ان مقالوں میں شمار کیا جاتا ہے، جو آپ کی شاعری کے حوالے سے اب تک شائع ہوچکے ہیں۔ امام نعت گویاں میں اختر الحامدی نے اعلیٰ حضرت کے کلام کا مختصر مگر جامع تعارف کرایاہے۔ اس کے علاوہ حضرتِ رضا کے کمالاتِ شاعری پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ اختر الحامدی اپنی کتاب کی بابت رقم طراز ہیں:"اگرچہ کتاب "امامِ نعت گویاں" اس نابغۂ روزگار کے کل محاسنِ شعری کا احاطہ نہیں کرسکی ہے، پھر بھی احقر نے باوجود علالت و مصروفیت بعض ایسے نقوش کو اجاگر کیاہے اور جو قابلِ توجہ ہیں۔ میری یہ کوشش "نقشِ اول" ہے "نقشِ آخر" نہیں"۔[۲۲]

امام نعت گویاں کے حوالے سے پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مرحوم اپنی "تقدیم" میں کہتے ہیں:"حضرت رضا بریلوی کی شاعری پر لکھنے کے لیے جناب اختر الحامدی جیسے صاحب نسبتِ جلیلہ فاضل کی ضرورت تھی۔ پیشِ نظر مقالے میں انھوں نے حضرت رضا کے کلام میں حسنِ تغزل، مضمون آفرینی، رعنائیِ خیال، جدّتِ تخیل، برجستگی اور نشستِ الفاظ، روز مرہ و محاورہ، سلاستِ زبان و بیان، تشبیہات و استعارات، صنائع لفظی و معنوی وغیرہ پر روشنی ڈالی ہے۔ اصنافِ سخن میں نعت کے علاوہ قصیدہ اور رباعی کا بھی ذکر کیاہے اور اس انداز سے کہ حضرتِ رضا کے کمالاتِ شاعری کا دل پر نقش مرتسم ہوجاتاہے۔"[۲۳]

متذکرہ کتاب کی بابت پروفیسر محمد عبدالسمیع ضیاؔ چشتی سیالوی اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں: "انہیں مساعی مشکورہ میں زیرِ نظر کتاب "امامِ نعت گویاں" بھی ہے، جس کا موضوع حدائق بخشش کی صوری معنوی خوبیاں بیان کرکے حضرت رضاؔ بریلوی کو فنِّ نعت گوئی کا امام ثابت کرنا ہے۔"[۲۴] مندرجہ بالا آرا کی روشنی میں حضرت اختر الحامدی کی کتاب امام نعت گویاں کی افادیت اور اہمیت مزید دوچند ہوجاتی ہے۔

اِسی تناظر میں اُردو نعتیہ ادب کے سب سے پہلے محقق پروفیسر ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاق کو دیکھا جائے گا۔ پروفیسر ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاق اپنے تحقیقی مقالے "اُردو میں نعتیہ شاعری/۱۹۷۶ء" میں فرماتے ہیں:"مولانا کے دیوان حدائق بخشش کے تین حصے ہیں اور جیسا کہ نام سے ظاہر ہوتا ہے یہ دیوان شروع سے آخر تک ایسی محبت اور عقیدت سے بھرا ہوا ہے کہ ایک دین دار اگر اسے اپنے لیے ذریعۂ نجات سمجھے تو کوئی بعید نہیں ہے۔"[۲۵]

سخنِ رضا مطلب ہائے حدائق بخشش۔ ۱۹۹۲ء

سخن رضا مطلب ہائے حدائق بخشش کے شارح مولانا صوفی محمد اوّل قادری رضوی سنبھلی ہیں۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے دیوان کی مختصر تشریح کے حوالے سے یہ کتاب بڑے سائز میں شائع ہوئی ہے۔ اس کے صفحات ۴۳۲ اور ناشر مکتبۂ دانیال غزنی اسٹریٹ اردو بازار لاہور ہیں۔ کتاب پر سالِ اشاعت ندارد ہے، مگر پیش لفظ میں جگہ جگہ عبارتوں سے سالِ اشاعت ۱۹۹۲ء کو ظاہر کیا گیاہے۔[۲۶]

ایم طفیل نے اس کتاب کا "پیش لفظ" لکھا ہے۔ وہ رقم طراز ہیں:"برِّصغیر میں مذہبی اقدار کے فروغ حبِّ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جذبات دلوں میں موجزن کرتے اور بالخصوص محافلِ میلاد کے ذوق و شوق میں حضرت امام احمد رضاخاں بریلوی کی خدمات چندے آفتاب و چندے ماہتاب ہیں اور مولانا محمد اوّل شاہ کی طرف سے ان کی تصانیف کی شرح دراصل سلام مصطفیٰ از احمد رضا شرح محمد اوّل اعلیٰ حضرت بریلوی کے لیے ان کے دلی جذبات و عقیدت و محبت کا منہ بولتا ثبوت ہے"۔[۲۷]

صوفی محمد اوّل صاحب نے سخن رضا مطلب ہائے حدائق بخشش کے اشعار کو بہت سلیقے سے سجایاہے۔ اس مختصر تشریح کی ترتیب ایک نظر میں ملاحظہ کیجیے۔ سب سے پہلے اشعار دیے گئے ہیں اس کے بعد "مشکل الفاظ کے معنٰی" اور پھر مطلبِ اشعار بیان ہوئے ہیں۔ حدائق بخشش کی تفہیم کے حوالے سے یہ ایک اور قابلِ قدر کوشش ہے۔ اوّل صاحب نے اشعار کی تشریح میں اختصار کو ملحوظ رکھاہے۔ لغوی حوالے سے اشعار کی تشریح بیان کی ہے۔ مناجات بدر گاہِ قاضی الحاجات کے سب سے پہلے شعر کا مطلبِ اشعار ملاحظہ کیجیے۔

یا الٰہی ہر جگہ تیری عطا کا ساتھ ہو
جب پڑے مشکل شہِ مشکل کشا کا ساتھ ہو

مطلبِ اشعار: ہمہ وقت ہر جگہ یاالٰہی تیری بخشش میرے ساتھ ہو۔ میں اگر کسی مشکل میں پھنس جاؤں تو شاہ مشکل کشا رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد مشکل کشائی کا ساتھ ہو۔[۲۸]

اوّل صاحب نے پوری کتاب میں یہی انداز برقرار رکھا ہے۔ مشکل الفاظ کے معنٰی زیادہ اہتمام سے دیے گئے ہیں، جن سے اشعار سمجھنے میں کافی آسانی ہوتی ہے۔

نعتیہ ادب کے ایک اور اہم محقق و تذکرہ نگار پروفیسر سیّد محمد یونس شاہ گیلانی کو دیکھا جائے گا۔ پروفیسر سیّد محمد یونس شاہ گیلانی اپنی کتاب "تذکرہ نعت گویان اُردو/۱۹۸۴ء" (جلد دوم) میں کہتے ہیں: "مولانا کی نعت میں زبان کا استعمال نہایت خوب ہے، الفاظ و معانی کے رموز سے واقف تھے اس لیے پیرایۂ اظہار کے لیے کہیں دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑا، جگہ جگہ قرآن وحدیث کے حوالے بھی اشعار میں پائے جاتے ہیں۔ عشق و محبت کے راز و نیاز، حقائق و معارف، مضامین نبوت والوہیت کے امور کو بڑی خوبی سے ادا کیاہے۔"[۲۹]

شرح سلام رضا۔ جون ۱۹۹۳ء

شرح سلامِ رضا کے شارح مفتی محمد خان قادری ہیں۔ مرکز تحقیقات اسلامیہ ۲۰۵ شاد مان لاہور نے اسے شائع کیا ہے۔ اس کی اشاعتِ اوّل جون ۱۹۹۳ء اور اشاعتِ دوم ۱۹۹۴ء میں ہوئی۔ ۵۸۶ صفحات پر مشتمل یہ شرح "مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام" کے حوالے سے لکھی گئی ہے۔[۳۰]

مفتی محمد خان قادری شرح سلامِ رضا کے حوالے سے اپنے "پیش لفظ" میں رقم طراز ہیں: "یہ سلام پہلے بھی پڑھا اور سنا تھا مگر اب اس سلام سے جو والہانہ لگاؤ اور وابستگی ہوئی اس کے بیان کے لیے الفاظ نہیں۔ فی الفور کیا کہ شاہکار ربوبیت میں ہر عضو مصطفوی پر مختلف مرویات کے بعد آپ کا متعلقہ شعر بھی شامل کر دیا تا کہ قارئین لذت و حلاوت پانے کے ساتھ ساتھ اس سلام کے علمی پہلوؤں سے بھی آگاہ ہوں اور انہیں یہ اندازا ہو کہ اس سلام کا موجد و خالق علم و عرفان کے کتنے بلند مقام پر فائز ہے۔ اسے اپنے آقا کریم سے کتنی محبت و شیفتگی ہے۔ اس نے صورت و سیرتِ مصطفوی کا کتنی گہرائی اور گیرائی سے مطالعہ کیاہے۔"[۳۱]

شرح سلامِ رضا کے شارح مفتی محمد خان قادری کی غرض وغایت آپ نے ملاحظہ کی۔ یہ شرح سلام رضا یعنی "مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام" اعلیٰ حضرت کے کام، کلام اور سلام کو سمجھنے کے لیے بہت مفید اور معاون ہے۔ اس شرح کے حوالے سے مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری نقشبندی مرحوم اپنی "تقدیم" میں فرماتے ہیں: "ہمارے جواں سال اور عالی ہمت دوست مولانا مفتی محمد خان قادری سلام رضا کی شرح لکھنے میں مصروف ہیں، ان کے بعد اس عنوان پر مزید کام کرنے کی ضرورت نہیں رہے گی۔"[۳۲]

مفتی محمد خان قادری کی شرح سلام رضا کی بہت ساری خصوصیات ہیں۔ اولاً مفتی صاحب کا طرزِ تحریر بہت رواں ہے۔ ترتیب میں پہلے شعر پھر اس کے الفاظ و معنٰی دیے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ بعض اشعار کو نہایت تفصیل سے اور عالمانہ انداز میں بیان کیا گیاہے۔ یہ صرف شرح نہیں بلکہ عشقِ رسول کی ایک موثر تحریک ہے۔

مرصع اور سحر انداز تحریر لکھنے والے پروفیسر محمد اقبال جاوید کی رائے کو دیکھا جائے گا۔ پروفیسر محمد اقبال جاوید اپنے مرتبہ انتخابِ نعت "مخزنِ نعت/۱۹۷۹ء" میں یوں رقمطراز ہیں: "تغزل کی نشتریت میں چھپا ہوا، عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جو والہانہ پن، مولانا کی شخصیت اور شاعری میں نظر آتا ہے اس نے ان کی نعت گوئی کو ایک مستقل ادبی حیثیت دے دی ہے؛ کیوں کہ وہی فن پارہ عظیم ہوتا ہے جو فنکار کی شخصیت کا سچا اور اُجلا عکس ہو۔"[۳۳]

الحقائق فی الحدائق المعروف شرح حدائق بخشش۔ اپریل ۱۹۹۴ء

"الحقائق فی الحدائق المعروف شرح حدائق بخشش" کے شارح مولانا محمد فیض احمد اویسی مرحوم ہیں۔ شرح حدائق بخشش کی پہلی جلد ۱۹۹۴ء میں مکتبہ اویسیہ رضویہ بہاولپور کے زیر اہتمام شائع ہوئی۔ پہلی جلد 368 صفحات پر مشتمل ہے۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد اور خود شارح نے اس پر مضامین لکھے ہیں۔[۳۴]

مولانا محمد فیض احمد اویسی معروف اور مشہور عالم دین تھے۔

شرح حدائق بخشش کے حوالے سے ۲۵ جلدیں تحریر فرمائی تھیں۔ جس میں سے ۱۴ جلدیں اشاعت پزیر ہو چکی ہیں۔[۳۵] ۹ جلدیں ہنوز تشنہ طبع ہیں۔ مولانا فیض صاحب کا اندازِ تحریر طوالت لیے ہوئے ہے۔ عالم دین ہونے کے سبب اسلوبِ نگارش صرف عالمانہ ہی نہیں بلکہ اکثر مناظرانہ بھی دکھائی دیتا ہے۔ ایک عام آدمی کے لیے تو یہ سب چیزیں بہت زیادہ طوالت لیے ہوئے ہیں، مگر حقیقت یہ ہے کہ مولانا اویسی صاحب نے شرح حدائق بخشش کی تشریح و تفہیم کے لیے ہر مناسب اور رائج طریقۂ کار کو اپنایا ہے۔

پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد مرحوم اپنی ''تقدیم'' میں فرماتے ہیں: ''حدائق بخشش کی مکمل و مبسوط شرح میرے علم میں نہیں، اس سلسلے میں اوّلیت کا سہرا حضرت علامہ فیض احمد اویسی دامت برکاتہم کے سر معلوم ہوتا ہے۔۔۔ علامہ اویسی صاحب نے کلام رضا کے جن پہلوؤں کو اُجاگر کیا ہے وہ ایک ادیب و دانشور کے لیے ممکن نہ تھے۔''[۳۶]

مولانا محمد فیض احمد اویسی شرح حدائق بخشش کے حوالے سے معلومات بہم پہنچاتے ہوئے فرماتے ہیں: ''دورانِ تصانیف ایک دن خیال آیا کہ ''حدائق بخشش'' کی شرح بھی لکھ ڈالوں۔ اس میں عشقِ رسول ﷺ کا سمندر موجزن ہے۔ ممکن ہے فقیر کو اسی سے ایک بوند نصیب ہو جائے۔''[۳۷] مولانا اویسی صاحب پہلے اعلیٰ حضرت کی نعت کا شعر دیتے ہیں، اس کے بعد ''حلّ لغات'' کے طور پر معنیٰ و مفاہیم مختصراً دیتے ہیں، پھر اس کی ''شرح'' بیان کرتے ہیں۔ موضوع سے متعلق قرآنِ کریم اور احادیث مبارکہ کے انبار لگا دیتے ہیں۔ بعض جگہ علمی، عقلی اور منطقی انداز کو بھی پیش کرتے ہیں۔ بزرگانِ دین کے اقوال و قصائص کو بھی بے تکان بیان کرتے ہیں۔

شرح حدائق بخشش کی جلدِ دوم اس وقت میرے پیش نظر ہے۔ اس میں اعلیٰ حضرت کی کل ایک حمد اور پانچ نعتوں کی تشریح و تفصیل ۳۶۸ صفحات میں بیان کی گئی ہے۔ صفحات کی تعداد سے مولانا اویسی صاحب کی زود بیانی کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ مولانا صاحب کا طرزِ تحریر دلچسپ اور معلوماتی ہے جس سے انکار ممکن نہیں، مگر عصرِ حاضر میں ضرورت صرف ایسے شارح کی ہے جو غالب و اقبال کو ایک ایک جلد کی صورت میں میسر آئے ہیں۔ حدائق بخشش کی شرح بھی مفہومی انداز میں صرف ایک جلد پر مشتمل ہونا چاہیے تاکہ ایک زمانہ حدائق بخشش سے فیض یاب ہو سکے۔ شرح حدائق بخشش کی جلدوں کی تعداد پڑھنے والے کو امتحان سے دوچار کر دیتی ہے۔

اب ایک اور فاضل محقق ڈاکٹر شاہ رشاد عثمانی کو دیکھا جائے گا۔ ڈاکٹر شاہ رشاد عثمانی اپنے ڈاکٹریٹ کے مقالے ''اُردو شاعری میں نعت گوئی/۱۹۹۱ء'' میں اظہارِ خیال کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''شیدائے رسول مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے ذکر کے بغیر اُردو کی نعتیہ شاعری کا تصوّر محال ہے۔ آپ کی ''حدائق بخشش'' ہر دو حصص ایک ایسی متاعِ بے بہا ہے، جس پر اُردو شاعری ہمیشہ ناز کرے گی۔''[۳۸]

انتخاب حدائق بخشش۔ ۱۹۹۵ء

انتخاب حدائق بخشش حضرت رضا بریلوی کے مرتب پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد ہیں۔ اس انتخاب کے ناشر سرہند پبلی کیشنز کراچی (سندھ) ہیں۔ ۳۲۰ صفحات پر مشتمل یہ انتخاب ۱۹۹۵ء میں شائع ہوا۔[۳۹] ڈاکٹر مسعود احمد کا مرتبہ انتخاب حدائق بخشش ایک عمدہ کاوش ہے، جسے انتہائی خوبصورتی اور نفاست سے شائع کیا گیا ہے۔ اس کی ترتیب کچھ اس طرح سے ہے۔ ابتدائیہ، حضرت رضا بریلوی ایک نظر میں، حضرت رضا بریلوی دانشوروں کی نظر میں، جاں نثاری و فداکاری، سرمستی و سرشاری، حسان بن ثابت دربارِ رسالت میں، انتخاب حدائق بخشش (نعتیہ کلام کا انتخاب) غزلیات، قصائد، رباعیات، آئینہ حضرت رضا بریلوی، تعارف حضرت رضا بریلوی، حضرت رضا بریلوی کی نعتیہ شاعری اپنے آئینے میں، اختتامیہ، مناجات رضا۔

ڈاکٹر مسعود صاحب ماہر رضویات کے طور پر معروف تھے۔ ساری زندگی عشقِ رسول کے پیغام کو بہ زبانِ اعلیٰ حضرت بیان کرتے رہے۔ یہ انتخاب فکرِ رضا کی مسلسل ریاضت کا آئینہ دار ہے۔ ''حضرت رضا بریلوی ایک نظر میں'' معلومات افزا کاوش ہے۔ ''حضرت رضا بریلوی دانشوروں کی نظر میں'' خاصہ کی چیز ہے، جس میں مختلف شعبہ جات سے تعلق رکھنے والے مشاہیر نے مولانا احمد رضا بریلوی کے فکر و فن کو خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔ ''جاں نثاری و فداکاری'' کے عنوان سے سورۂ توبہ کی آیت ۲۴ پیش کی گئی ہے؛ جس

میں اللہ اور اس کے رسول کے حکم جہاد کو واضح کیا گیا ہے۔ "حضرت حسان بن ثابت دربارِ رسول میں" کے حوالے سے شرح شمائل ترمذی شریف اور ابوداؤد شریف کی وہ حدیث نقل کی گئی ہے جس میں سیدنا حسان بن ثابت کے لیے مسجد نبوی میں منبر رکھا جاتا تھا جس پر آپ کھڑے ہو کر نعتِ مصطفیٰ بیان کرتے تھے۔ اس کے بعد انتخاب حدائق بخشش کا نعتیہ کلام شروع ہوتا ہے۔

ڈاکٹر مسعود صاحب اپنے اختتامیہ میں اپنے اس انتخاب کے بارے میں فرماتے ہیں "بہر حال اس منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے راقم نے قلم اٹھایا اور بحمدللہ تعالیٰ نومبر ۱۹۹۳ء میں یہ انتخاب مرتب ہو گیا۔ اس انتخاب کے لیے بریلی شریف کے قدیم نسخے سامنے رکھے گئے تاکہ غلطیوں کا زیادہ احتمال نہ رہے"۔ [۴۰] ڈاکٹر مسعود صاحب کے انتخاب کے بارے میں ڈاکٹر شرر صاحب نے جن فروگزاشتوں کا ذکر کیا ہے وہ درست ہیں۔ آئندہ ایڈیشن میں اس کو درست کیا جا سکتا ہے۔

اب آئندہ ایک اور محققِ نعت ڈاکٹر اسماعیل آزاد فتح پوری کو دیکھا جائے گا۔ ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد فتح پوری اپنے تحقیقی مقالے "اُردو شاعری میں نعت ۱۹۹۲ء" (حالی سے حال تک) میں فرماتے ہیں: "مولانا کا سارا کلام وفورِ جذبات سے سرشار ہے۔ اسی لیے وہ جذبات نگاری اور عقیدت مندی میں منفرد مقام رکھتا ہے۔ کلام کی متناسب روانی سبک سیر ہے، جو معنوی انبساط کے علاوہ ذہنی انبساط بھی عطا کرتی ہے۔" [۴۱]

حدائق بخشش کا فنّی و عروضی جائزہ ۔ جولائی ۱۹۹۷ء

حدائق بخشش کا فنی و عروضی جائزہ، ڈاکٹر فضل الرحمن شرر مصباحی کی تصحیح و تقدیم سے مزین ہے، جسے رضا اکیڈمی بمبئی (انڈیا) نے شائع کیا ہے۔ جولائی 1997 ء میں شائع ہونے والی یہ کتاب 368 صفحات پر مشتمل ہے جس میں حدائق بخشش کے دونوں حصے شامل ہیں۔ [۴۲]

حدائق بخشش کا فنّی و عروضی جائزہ ڈاکٹر فضل الرحمٰن شرر مصباحی کی ایک کامیاب کوشش ہے جس میں موصوف نے حدائق بخشش میں ہونے والی بعض تسامحات کا ذکر کیا ہے۔ "اغلاط کتابت" کے عنوان سے غلطیوں کی نشان دہی فرمائی ہے۔ "طبع اوّل کے اغلاط" کو واضح کیا ہے۔ "نعت گوئی" کے حوالے سے حدائق بخشش کی اہمیت کو اجاگر کیا ہے۔ "چند اشعار کی تشریح" کا فریضہ بھی انجام دیا ہے۔ "باب العروض" کے در کو بھی وا کیا ہے۔ "علم القوافی" کی بھی وضاحت فرمائی ہے۔ "کچھ انتخاب حدائق بخشش کے بارے میں" (مرتبہ پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد مرحوم) بعض فروگزاشتوں کا ذکر کیا ہے۔ آخر میں ایک صفحے کا "اختتامیہ" بھی تحریر کیا ہے۔ بے شبہ یہ کام لائقِ تحسین اور قابلِ صد مبارکباد ہے۔ اس کی جتنی بھی پزیرائی کی جائے کم ہے۔

بانی رضا اکیڈمی بمبئی محمد سعید نوری فرماتے ہیں "یہ کہا جائے تو غلط نہ ہو گا کہ الحمدللہ برِّصغیر پاک و ہند بلکہ پوری دنیا میں حدائق بخشش کا اتنا شاندار اور صحیح نسخہ شاید اب تک منظرِ عام پر نہ آیا ہو گا۔" (ص ۳) جہاں تک اس نسخے کا شان دار ہونا ہے یہ بات درست ہے۔ بلاشبہ یہ تزئین و خوبصورتی کے حوالے سے قابل قدر ہے۔ اس کی ستائش ہونی چاہیے، مگر یہ کہنا قطعی درست دکھائی نہیں دیتا کہ یہ صحیح نسخہ ہے۔ اس میں بھی اغلاط ہیں۔ یہ صرف "یک نگاہے گاہے گاہے" والی بات ہے۔ اگر بنظرِ غائر اس کا جائزہ لیا جائے تو اغلاط و اسقام کی تعداد بڑھ بھی سکتی ہے۔ حدائقِ بخشش کے اس نسخے کو اب تک شائع ہونے والے تمام نسخوں میں خوبصورتی کے لحاظ سے اوّلیت کے مقام پر فائز کیا جا سکتا ہے، مگر یہ کہنا کہ پوری دنیا میں حدائق بخشش کا یہ سب سے صحیح نسخہ ہے، درست نہیں ہے۔

ڈاکٹر شرر مصباحی حدائق بخشش کی اوّلین اشاعت کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار فرماتے ہیں: "خوش نصیبی سے اس وقت ہمارے سامنے وہ مبارک نسخہ موجود ہے جو حضور فاضل بریلوی کی حیات میں حضرت صدر الشریعہ کی زیرِ نگرانی شائع ہوا تھا۔۔۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت امام کی حیاتِ مقدسہ میں حدائق بخشش کی طباعت کم از کم دو بار ہو چکی تھی۔ لہٰذا یہ کہنا عقلاً و نقلاً کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے کہ حدائق بخشش (اوّل) کی تدوین کا کام حضرت امام کی حیات میں نہیں ہوا تھا۔" [۴۳]

الحمدللہ ! ڈاکٹر فضل الرحمٰن شرر مصباحی نے نعتیہ دیوان حدائق بخشش کی اس حقیقت کو تو واضح فرمادیا ہے کہ اس کی اشاعت مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی کی حیات میں ہو چکی تھی، جس کے

شر رصاحب نے حوالے بھی دیے ہیں؛ مگر یہ بات پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچے گی جب تک ان دونوں اشاعتوں کے سالِ اشاعت کو واضح نہ کیا جائے۔ سالِ اشاعت کے حوالے سے ڈاکٹر شرر صاحب کی تحقیق خاموش ہے۔

اب آئندہ ایک اور تحقیق نگار ڈاکٹر مظفر عالم جاوید صدیقی کو دیکھا جائے گا۔ڈاکٹر محمد مظفر عالم جاوید صدیقی اپنے تحقیقی مقالے ''اُردو میں میلاد النبی/۱۹۹۸ء'' میں تحریر فرماتے ہیں: ''مولانا احمد رضا خاں نے میلادِ نبوی کے بیان میں نثر کے علاوہ اپنی میلاد و نعتیہ شاعری میں بھی جابجا اس موضوع کے حوالے سے کبھی نہ بجھ سکنے والے چراغ روشن کیے ہیں۔'' [۴۴]

فنِّ شاعری اور حسّان الہند۔ ۲۰۰۴ء

''فنِّ شاعری اور حسّان الہند''مولانا عبد السّتّار ہمدانی مصروف برکاتی نوری کی تصنیف ہے، جس کی اشاعتِ دوم ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا کراچی کے زیرِ اہتمام ۲۰۰۴ء میں عمل میں آئی۔ ۳۲۰صفحات پر مشتمل یہ کتاب اعلیٰ حضرت کے نعتیہ دیوان حدائق بخشش کے حوالے سے لکھی گئی ہے۔ [۴۵]

فنِّ شاعری اور حسّان الہند اپنے موضوع کے لحاظ سے ایک منفرد کاوش ہے۔ اس کتاب کے مصنّف اہلِ زبان نہ ہونے کے باوجود بھی زبان و بیان پر کامل دسترس رکھتے ہیں۔ مصرؔوف برکاتی اپنی کتاب کے ''سببِ تصنیف'' میں کہتے ہیں:''نعتیہ دیوان''حدائق بخشش'' سے راقم الحروف نے صنعت تجنیس کامل کے ایک سو تیس(۱۳۰)اشعار کی تشریح بنام ''عرفان رضا در مدحِ مصطفیٰ'' تقریباً ایک ہزار صفحات میں اختصاراً مرقوم کی۔ بعدہٗ کتاب کا مقدمہ لکھنا شروع کیا۔ گمان تو یہ تھا کہ دس پندرہ صفحات میں مقدمہ پورا ہو جائے گا، لیکن دورانِ تحریر ذہن میں مضامین کی آمد شروع ہوئی اور وہ مضامین بوسیلۂ قلم صفحۂ قرطاس پر منقش ہوتے گئے اور اس تسلسل نے اتنا طول پکڑا کہ مقدمہ مقالہ بن گیا۔'' [۴۶]

مصرؔوف برکاتی کے سببِ تصنیف کے بعد ''فنِّ شاعری اور حسان الہند ایک جائزہ ''ڈاکٹر مسز تنظیم الفردوس کراچی کا ایک اقتباس پیشِ خدمت ہے۔ آپ فرماتی ہیں:''علامہ موصوف نے کلامِ رضا میں محاورات اور کہاوتوں کی عکاسی، رسم ورواج کی عکاسی، مقامی الفاظ و محاورات کے ساتھ سنسکرت کے الفاظ کی فراوانی پر سیر حاصل اور تفصیلی بحث کی ہے۔ ساتھ ہی اعلیٰ حضرت کے اشعار پر بے بنیاد اعتراضات کا جواب بھی علامہ نے انتہائی مدلل انداز میں فراہم کیا ہے۔'' [۴۷] حدائق بخشش کے حوالے سے لکھی جانے والی یہ کتاب صرف حدائق بخشش کا ہی احاطہ نہیں کرتی بلکہ اردو شاعری خصوصاً اردو نعتیہ شاعری پر نقد و نظر اور تحقیق و تدقیق کے حوالے سے بھی ایک گراں قدر سرمایہ ہے۔

اسی حوالے سے اب ایک اور نعتیہ محقق ڈاکٹر عاصی کرنالی کو دیکھا جائے گا۔''اُردو حمد ونعت پر فارسی شعری روایت کا اثر'' یہ ڈاکٹر عاصی کرنالی کا ڈاکٹریٹ کا مقالہ ہے۔ وہ کہتے ہیں:''جس کثرت سے آپ کے نعت و سلام جلسوں میں پڑھے جاتے ہیں اور نعت خوانوں کی تنظیموں اور گروہوں میں متداول و مروج ہیں، اس شرف میں کوئی آپ کا مماثل و شریک نہیں ہے۔'' [۴۸]

مختصر شرح سلامِ رضا۔ ۲۰۰۴ء

''مختصر شرح سلامِ رضا'' کے شارح محمد نعیم اللہ خان قادری ہیں۔ اس کے ناشر فیضانِ مدینہ پبلی کیشنز، کاموکے پنجاب، پاکستان اور اس کا سالِ اشاعت ۲۰۰۴ء ہے۔ اس کا بارِ اوّل ۱۷۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس پر مضامین و آرا پروفیسر محمد اکرم رضا اور شارح محمد نعیم قادری کی ہیں۔'' [۴۹] راقم یہ شرح خود نہیں دیکھ سکا تھا۔ اس کا ذکر برادرم غوث میاں نے محمد طاہر قریشی کی مرتبہ فہرستِ کتبِ خانہ (نعت ریسرچ سینٹر) کے حوالے سے کیا تھا۔ راقم نے حصولِ برکت کے لیے اس کتاب کو بھی اپنے مضمون میں شامل کر لیا ہے۔ اس مختصر شرح سلامِ رضا کے صفحات کی تعداد بھی ۱۷۶ ہے۔ اس کی کامل شرح کا کیا عالم ہو گا۔

اب اسی سلسلے میں ایک اور فاضل محقق نعت پروفیسر ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی کو دیکھا جائے گا۔ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی اپنے پی ایچ ڈی کے مقالے ''برِّصغیر پاک وہند میں عربی نعتیہ شاعری/۲۰۰۲ء'' میں فرماتے ہیں:''مولانا کی نعتیہ شاعری کا مرکزی نقطہ توسّل و استغاثہ ہے۔ ان کے ہاں شعری حکایت کا تصور نہیں ہے۔ وہ جو کچھ کہتے ہیں اسے اپنے دل کی آواز اور روح کی پکار بناتے ہیں۔ ان کا رُجحان طبعی خود سپردگی اور جاں دادگی کا غماز ہے۔ کیف آمیز وجدانی احساسات

نے ان کی شاعری کو والہانہ پن عطا کیا ہے۔ وہ جس زبان میں بھی اظہار کرتے ہیں یہی طرزِ ادا اپناتے ہیں۔ بے ساختہ پکار ان کی شاعری کا امتیازی وصف ہے۔" [۵۰]

نعت رنگ کراچی (اعلیٰ حضرت احمد رضا بریلوی نمبر) دسمبر ۲۰۰۵ء

نعت رنگ کراچی کا شمارہ نمبر ۱۸ دسمبر ۲۰۰۵ء میں اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا بریلوی نمبر کے طور پر سامنے آیا ہے۔ ۸۰۴ صفحات پر مشتمل یہ نمبر اقلیم نعت، بی-۵۰، سیکٹر ۱۱۔اے، نارتھ کراچی سے شائع ہوا ہے۔ نعت رنگ کے مرتب سید صبیح الدین صبیح رحمانی ہیں۔ [۵۱] صبیح رحمانی دنیائے نعت میں کئی حوالوں سے معروف ہیں۔ ان کا کام انفرادیت اور اہمیت کا غماز ہے۔ "مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام" کے خوبصورت اور دیدہ زیب سرورق کے سائے میں یہ شمارہ رنگِ رضا کی مختلف سمتوں اور جہتوں کا شاہد ہے۔

رنگِ رضا کی دھنک رنگ دیکھیے۔ "فکر و فن" کے عنوان سے ۲۲ مقالہ نگاروں کے مختلف مضامین۔ "تضامین بر کلامِ رضا" کہنے والوں میں ۷ شعرائے کرام شامل ہیں۔ "خصوصی مطالعہ" میں دو قلم کاروں کے مضامین ہیں۔ "رنگِ رضا" میں ۵ شعرا نے کلام کہے ہیں۔ "کلامِ رضا کے تحقیقی زاویئے" میں ۷ مقالہ نگاروں کے سیر حاصل مقالے شامل ہیں۔ "مذاکرہ" کے عنوان سے مولانا احمد رضا بریلوی کی نعتیہ شاعری کا جائزہ بھی لیا گیا ہے۔ آخری حصّہ "خطوط" پر مشتمل ہے۔

صبیح رحمانی اپنے "ابتدائیہ" میں اس حقیقت کا اعتراف کرتے دکھائی دیتے ہیں: "حقیقت یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں اُردو کے وہ خوش نصیب اور مقبولِ خاص و عام نعت گو ہیں جن پر بہت لکھا گیا ہے۔ اُردو کے کسی اور نعت گو پر اتنا نہیں لکھا گیا جتنا مطبوعہ مواد مولانا پر موجود ہے، لیکن مقالات و مضامین کی یہ کثرت ہمارے لیے خوشی کا باعث تو ہو سکتی ہے، اطمینان کا نہیں۔" [۵۲]

صبیح رحمانی کے مرتبہ نعت رنگ کے "اعلیٰ حضرت احمد رضا شاہ بریلوی نمبر" میں مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے علم و ادب، فکر و فن اور شعر و سخن کے تمام موضوعات زیرِ بحث آئے ہیں۔ موضوعات کے تنوع اور وسعت کے سبب اس نمبر کو بلاشبہ ایک تاریخی دستاویز سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔

اب آئندہ ایک اور قابلِ قدر شخصیت ڈاکٹر سید یحییٰ نشیط (بھارت) کو دیکھا جائے گا۔ ڈاکٹر سید یحییٰ نشیط (بھارت) "فتاویٰ رضویہ اور نعت کا موضوع" میں فرماتے ہیں: "برّصغیر میں فاضلِ بریلوی اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں نوراللہ مرقدہٗ کی شخصیت کو محب اور مداحِ رسول ﷺ کے ساتھ ہی فقہ میں تبحرِ علمی کے لحاظ سے سے بھی تسلیم کیا گیا ہے۔ آپ کی فراستِ علمی اور فقہی بصیرت کو آپ کے معاصرین بھی مانتے تھے اور آج بھی ان کی بعض تخلیقات علمیہ کو بنظر استحسان دیکھا جاتا ہے۔" [۵۳]

مولانا احمد رضا بریلوی کی نعتیہ شاعری۔ دسمبر ۲۰۰۵ء

"مولانا احمد رضا بریلوی کی نعتیہ شاعری" کے حوالے سے ڈاکٹر سراج احمد قادری بستوی (بھارت) کے تحقیقی مقالہ کی دوسری جلد کا نام ہے اور "مولانا احمد رضا بریلوی کی نعتیہ شاعری کے حوالے سے شائع ہونے والی کتب کا تعارف" بھی ہے۔ سر دست ہمارے پیشِ نظر ڈاکٹر سراج احمد بستوی کا وہ مضمون ہے جو نعت رنگ کراچی کے شمارہ نمبر ۱۸ دسمبر ۲۰۰۵ء "اعلیٰ حضرت احمد رضا شاہ بریلوی نمبر" میں شائع ہوا ہے۔ [۵۴]

مولانا احمد رضا بریلوی کی نعتیہ شاعری کے حوالے سے شائع ہونے والا مضمون اس موضوع سے متعلق کافی معلومات فراہم کرتا ہے فاضل مقالہ نگار نے عرق ریزی و دیدہ وری سے اس کو سجایا ہے۔ ہم صرف کتب اور قلم کاروں کے نام پیش کرنے پر اکتفا کر رہے ہیں: (۱) کلام حضرت رضا قدس سرہٗ کا تحقیقی اور ادبی جائزہ، شمس بریلوی (۲) تاریخ نعت گوئی میں حضرت رضا بریلوی کا منصب، شاعر لکھنوی (۳) مولانا احمد رضا خاں بریلوی کی نعتیہ شاعری، ملک شیر محمد خان اعوان آف کالا باغ (۴) اعلیٰ حضرت کی شاعری پر ایک نظر، سید نور محمد قادری (۵) عرفانِ رضا، پروفیسر ڈاکٹر الٰہی بخش اختر اعوان (۶) امام شعر و ادب، مولانا وارث جمال بستوی (۷) کلامِ رضا، اصغر حسین نظیر لدھیانوی (۸) اقبال و احمد رضا، راجا رشید محمود (۹) کلامِ رضا کے نئے تنقیدی زاویے، ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی (۱۰) فنِّ شاعری اور حسان الہند، مولانا عبدالستار ہمدانی (۱۱) اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی کے قصیدۂ معراجیہ پر ایک تحقیقی مقالہ، پروفیسر مرزا نظام الدین بیگ جام بنارسی (۱۲) ارمغانِ رضا (بزبانِ فارسی)، پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد (۱۳) فقیہ اسلام بحیثیت عظیم

شاعر و ادیب، پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری (۱۴) مولانا احمد رضا بریلوی کی نعتیہ شاعری: ایک تحقیقی مقالہ، ڈاکٹر سراج احمد قادری بستوی (۱۵) امام احمد رضا: ملک سخن کے شاہ، عقیل احمد خاں اکبر آبادی (۱۶) غزلیاتِ رضا :انتخاب از حدائق بخشش، مولانا امجد رضا امجد، (۱۷) انتخاب حدائق بخشش، پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد (۱۸) کعبی کی کتاب: سلام رضا تضمین و تفہیم اور تجزیے کا تنقیدی جائزہ، مفتی محمد مطیع الرحمٰن رضوی (۱۹) الحقائق فی الحدائق المعروف شرح حدائق بخشش، مولانا فیض احمد اویسی مرحوم، (۲۰) عرفانِ رضا : در مدح مصطفی مولانا عبدالستار ہمدانی (۲۱) شرح سلام رضا، مولانا مفتی محمد خان قادری (۲۲) شرح مثنوی ردّ امثالیہ، قاری غلام محی الدین خاں قادری شیری (۲۳) نوبہارِ نوازش بجل حدائق بخشش، مفتی عنایت احمد نعیمی (۲۴) بساتین الغفران، الایوان العزمی امام احمد رضا بریلوی (بزبان عربی)، پروفیسر حازم محمد احمد عبدالرحیم المحفوظ (جامعہ ازہر)

مولانا احمد رضا خان بریلوی کی نعتیہ شاعری کے حوالے سے ۲۴ کتب تھیں۔ جن میں چھوٹی کتابوں کے علاوہ ضخیم کتب بھی شامل ہیں۔ مقالہ نگار نے محبتِ رضا، عقیدتِ رضا اور تحقیقِ رضا کو مدِّ نظر رکھا ہے۔ ہر کتاب پر جامع اور معلوماتی انداز میں تبصرہ موجود ہے۔ یہ تعارف اور تبصرہ اتنا مکمل اور مربوط ہے کہ جس سے مکمل کتاب کی تصویر سامنے آجاتی ہے۔ موصوف کی تحریر میں جاذبیت اور روانی پائی جاتی ہے۔

اسی حوالے سے اب ایک اور علمی و ادبی شخصیت پروفیسر ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشفی مرحوم کو دیکھائے جائے گا۔ ممتاز ماہر تعلیم پروفیسر ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشفی مرحوم اپنے مضمون ''سلامِ رضا کے دوباغوں کی سیر'' میں فرماتے ہیں: ''حضرت احمد رضا خاں صاحب کی زبان و بیان نے ان کی عقیدت کی گیرائی اور گہرائی کا ساتھ دیا ہے اور ایسی ایسی تراکیب اور صفات ہمارے سامنے آئی ہیں جن سے ہماری زبان، زیادہ نوری، قدسی صفت اور نئے احکامات کی امین بن گئی ہے۔''[۵۵]

شروحات حدائق بخشش۔ دسمبر ۲۰۰۵ء

''شروحات حدائق بخشش'' منصور ملتانی (کراچی) کا ۷ صفحات پر مشتمل ایک مضمون ہے جو نعت رنگ کے شمارہ نمبر ۱۸، دسمبر ۲۰۰۵ء میں شائع ہوا ہے، جس میں مضمون نگار نے اپنے تیئس شروحات حدائق بخشش کو پیش کیا ہے۔ یہ موضوع مضمون نگار کے مزاج سے مطابقت نہیں رکھتا ہے۔ موصوف نے بس سامنے کی چند چیزوں کو زمانی ترتیب نہیں بلکہ بے ترتیبی سے پیش کر دیا ہے۔[۵۶]

منصور ملتانی صاحب نے سب سے پہلے الحقائق فی الحدائق شرح حدائق بخشش کا ذکر کیا ہے، جس میں موصوف کہتے ہیں ''جسے ۲۵ جلدوں میں علامہ فیض احمد اویسی نے لکھا ہے اور جس کی اب تک ۲۵ جلدیں اشاعت پزیر ہو چکی ہیں۔'' (یہ بات درست نہیں ہے) واضح رہے کہ مولانا فیض احمد اویسی نے کل ۲۵ جلدوں میں اس شرح کو مکمل کیا تھا جس کی تادمِ تحریر ۱۴ جلدیں اشاعت پزیر ہو چکی ہیں۔ ۹ جلدیں ہنوز تشنہ طبع ہیں۔

وثائق بخشش از مفتی غلام یٰسین امجدی اعظمی کی اوّلین شرح کو دوسرے نمبر پر شامل کیا ہے۔ وثائق بخشش شروحاتِ حدائق بخشش میں اوّلیت کے مقام پر فائز ہے، جو فروری ۱۹۷۶ء میں کراچی سے شائع ہوئی تھی۔ منصور ملتانی نے عام انداز سے اس موضوع پر لکھا ہے۔ موصوف نے بنظر غائر نہیں بلکہ بنظر طائر اس کا سرسری جائزہ لیا ہے۔ صاحبِ مضمون نے شروحاتِ حدائق بخشش کے تعارف سے پہلے ۱۸ عنوانات پر مشتمل مصنّفین کے ناموں کے ساتھ ایک فہرست بھی دی ہے۔ بارھویں نمبر اور اٹھاروھویں یعنی آخری نمبر پر ان دونوں کا ذکر کیا ہے جو شرح کلامِ امام اہل سنّت کے نام سے سامنے آئی ہیں۔ اب دونوں میں کیا درست ہے یہ مضمون نگار ہی بہتر بتا سکتے ہیں۔ شرح کلام امام اہل سنّت از عبدالقادر بدایونی، ماہ نامہ نوری کرن، بریلی، اگست ۱۹۶۴ء اور شرح کلامِ امامِ اہلِ سنّت از ابرار قادری بدایونی، ماہ نامہ، نوری کرن، بریلی، اکتوبر ۱۹۶۵ء۔ کیا دو مختلف حضرات نے ایک ہی نام سے شرح کلامِ امامِ اہلِ سنّت کو رقم کیا ہے۔ یا یہ ایک ہی آدمی کی کاوش ہے، جسے دو مختلف ناموں سے بے دھیانی میں شائع کر دیا گیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب!

اب اسی تناظر میں مولانا کوکب نورانی اوکاڑوی کو دیکھا جائے گا۔ مولانا کوکب نورانی اوکاڑوی اپنی ایک تحریر ''رضا کی زباں

تمہارے لیے" میں فرماتے ہیں: "نعت گوئی کے حوالے سے بھی زبان و بیان اور اُردو کے نعتیہ ادب کو اعلیٰ حضرت مجدد بریلوی علیہ الرحمہ پر ناز رہے گا۔ نعت گوئی کے باب میں ان کا سکہ ایسا بیٹھا ہے کہ ملکِ سخن کی شاہی کرتے نظر آتے ہیں۔ کلام الامام امام الکلام کا مقولہ ایسی ہی ہستیوں کے کلام پر صادق آتا ہے۔" [۵۷]

شرح کلام رضا فی نعت المصطفیٰ (شرح حدائق بخشش)۔ ۲۰۰۶ء

"شرح کلام رضا فی نعت المصطفیٰ شرح حدائق بخشش" کے شارح مولانا مفتی غلام حسن قادری ہیں۔ 2006ء میں مشتاق بک کارنر، الکریم مارکیٹ، اُردو بازار لاہور نے اِسے شائع کیا ہے۔ شرح حدائق بخشش بڑے سائز کے 1108 صفحات پر مشتمل ہے۔ [۵۸]

مولانا غلام حسن قادری نے حدائق بخشش کی ایک سو ایک اُردو نعتوں کو شرح کا جامہ پہنایا ہے۔ قطعات و رباعیات کے ساتھ ہی درود و سلامِ رضا کی عام فہم اور آسان اُردو شرح قرآن و سنت کے سینکڑوں دلائل کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔ جب کہ معاصر شعرا کے کلام سے بھی اس شرح کو تقویت پہنچائی گئی ہے۔ اس شرح کی یہ امتیازی خصوصیت ہے کہ اس کے حوالے سے مولانا محمد منشا تابش قصوری ضیائی نے "نشانِ منزل (شارح حدائق بخشش)" کا تعارف رقم کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں: "اس شرح کا انداز بڑا ہی نرالا اور انوکھا ہے نہ صرف حدائق بخشش کے اشعار کی نثری شرح کی بلکہ دیگر شعرا کے اشعار کو شامل کر کے اسے نظم سے بھی آراستہ کرنے کی سعی بلیغ فرمائی ہے، جو حضرت شارح کے وسیع مطالعہ پر دال ہے۔"۔ [۵۹]

مولانا غلام حسن قادری کی شرح حدائق بخشش کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ شارح نے آج سے ۳۵سال پہلے لکھا ہوا مقالہ "کلام اعلیٰ حضرت کی خصوصیات اور فنّی خوبیاں" کے نام سے شائع کیا ہے۔ واضح رہے کہ یہ مقالہ اختر الحامدی رضوی مرحوم کا تحریر کردہ تھا، جو سب سے پہلے کتاب "امام نعت گویاں ۱۹۷۷ء" کے نام سے طبع شدہ ہے، جسے دوبارہ عنوان بدل کر اس شرح حدائق بخشش میں شامل کیا گیا ہے۔ یقیناً اس اوّلین مقالے کی وجہ سے شرح حدائق بخشش کے وقار میں اضافہ ہوا ہے۔ کیونکہ اس مقالے میں اعلیٰ حضرت کے نعتیہ کلام کے فنّی نکات بیان کیے گئے ہیں۔ اختر الحامدی کے اس مقالے کے مطالعے کے بعد اعلیٰ حضرت کے نعتیہ کلام حدائق بخشش کی شرح آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے۔ مولانا اختر الحامدی رضوی آج سے ۳۲ سال پہلے (یکم رمضان المبارک ۱۴۰۱ھ مطابق ۴ جولائی ۱۹۸۱ء حیدر آباد سندھ) میں انتقال فرما چکے تھے۔ [۶۰] اس شرح میں مولانا اختر الحامدی کو "مدظلہ" لکھا گیا ہے۔ [۶۱]

اب ایک اور قابلِ قدر ادیب پروفیسر ڈاکٹر فاروق احمد صدیقی کو دیکھا جائے گا۔ پروفیسر ڈاکٹر فاروق احمد صدیقی "کلامِ رضا میں توحید کی ضیاباریاں" میں رقمطراز ہیں: "رسول کی مدح و ثنا بالواسطہ طور پر خدائے عزوجل ہی کی حمد و ثنا ہے۔ اسی لیے حقیقت شناس حضرات کے نزدیک یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ حضورِ انور ﷺ کی تعریف سے خالق کی تعریف ہی مقصود و متصور ہوتی ہے۔ یہ کہنے میں کوئی حرج نہیں کہ حدائق بخشش کے دونوں حصّے (تیسرا حصّہ میرے پیشِ نظر نہیں ہے) نعتِ رسول کے ساتھ ساتھ توحیدِ الٰہی کے جلووں سے بھی معمور و مستنیر ہیں۔" [۶۲]

اُردو نعت گوئی اور فاضل بریلوی۔ فروری ۲۰۰۸ء

"اُردو نعت گوئی اور فاضل بریلوی" ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی کا پی ایچ ڈی کا مقالہ ہے، جسے ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا، کراچی پاکستان نے فروری ۲۰۰۸ء میں شائع کیا ہے۔ ۶۷۸ صفحات پر مشتمل یہ مقالہ بہت اہتمام سے شائع کیا گیا ہے۔" [۶۳] اس مقالے کے نگراں پروفیسر ڈاکٹر زاہد حسن وسیم بریلوی، روہیل کھنڈ یونیورسٹی، بریلی، انڈیا تھے۔ مقالہ نگار ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی کو 1994ء میں ڈاکٹریٹ کی سند تفویض ہوئی۔

یہ مقالہ نو ابواب پر مشتمل ہے: پہلا باب، نعت کی تعریف، مختصر تاریخ اور عہد بعہد ارتقا کا جائزہ، دوسرا باب: اُردو میں نعت گوئی کی ابتدا، تیسرا باب: امام احمد رضا فاضل بریلوی کا عہد (سیاسی، سماجی، تہذیبی، تمدنی اور ادبی پس منظر)، چوتھا باب: امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی۔ حیات اور شخصیت کا تفصیلی جائزہ، پانچواں باب: تخلیقی رویے اور محرکات شاعری کا جائزہ، چھٹا باب: امام احمد رضا فاضل بریلوی کی نعت گوئی کے انفرادی خد و خال، ساتواں باب: امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی کی روحانی و عشق نبی کی مخلصانہ تہہ

داریاں، آٹھواں باب: امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی کی نعت گوئی کا ادبی مقام اور علمی مرتبہ، نواں باب: اُردو نعت کی تاریخ میں نعت نگار کی حیثیت سے امام احمد رضا فاضل بریلوی کا مقام۔

صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری (صدر، ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا) فرماتے ہیں: "ڈاکٹر عزیزی صاحب نے اپنے چاروں طرف چراغاں کیا ہوا ہے اور رضا کے نام کی دھوم مچائی ہوئی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ وہ رضا کی نگرانی میں بزمِ رضا سجائے رضا کے علم و فن کے چراغ سے چراغ جلا رہے ہیں۔"[۲۴]

ڈاکٹر طلحہ رضوی برق اپنی "تقریظ" میں فرماتے ہیں: "ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی کا یہ قابلِ قدر کارنامہ فاضل بریلوی پر اس جہت سے کام کرنے والوں کے لیے ایک انسائیکلوپیڈیا ہے۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ اس سے صرفِ نظر کرکے اس موضوع پر کوئی گفتگو کی جاسکے۔"[۲۵]

پیشِ نظر مقالہ کلام رضا، ادب برائے ادب، ادب برائے زندگی اور ادب برائے بندگی کا نمائندہ ہے۔ اُردو نعت کے انفرادی خدوخال میں مولانا احمد رضا خاں بریلوی کی نعت گوئی کا ادبی مقام اور علمی مرتبے کا تعین کیا گیا ہے۔

حدائقِ بخشش کے حوالے سے پروفیسر محمد اکرم رضا کو دیکھا جائے گا۔ پروفیسر محمد اکرم رضا اپنے ایک مضمون "جس سہانی گھڑی چمکا طیبہ کا چاند" میں تحریر فرماتے ہیں: "حدائقِ بخشش آپ کا وہ زندۂ جاوید نعتیہ سرمایہ ہے کہ جس کے اشعار کی خوشبو مشامِ فطرت کو ہمیشہ معنبر کرتی رہے گی۔ آپ نے نعت رسول ﷺ کو اپنے لیے حاصلِ حیات بنالیا۔"[۲۶]

آخر میں، میں اپنے اس مقالے "اذکار و انوارِ حدائقِ بخشش" کو صاحبِ طرز ادیب اور معروف نقاد رشید وارثی مرحوم کے ان مرصع الفاظ پر ختم کر رہا ہوں، جو انھوں نے اپنے مقالے "کلام رضا میں مناقبِ اہلِ بیتِ اطہار کی جلوہ گری" میں بیان فرمائے ہیں: "ہندوستان کے عظیم فقیہہ اور استاذِ نعت گویاں مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا نعتیہ دیوان 'حدائقِ بخشش' اہلِ سنّت کے حقیقی عقائد اور عشقِ صادق کا ترجمان ہے۔"[۲۷]

حوالہ جات

1۔ مسعود احمد، محمد، پروفیسر ڈاکٹر، عبقری الشرق مولانا احمد رضا خاں بریلوی ادارۂ مسعودیہ 6/2، 5۔ای ناظم آباد کراچی 1977ء ص6۔
2۔ ایضاً ص6۔
3۔ فیروز الدین، مولوی الحاج، فیروزاللغات (نیا ایڈیشن) فیروز سنز پرائیویٹ لمیٹڈ لاہور، س ن، ص564۔
4۔ ایضاً، ص184۔
5۔ شمس بریلوی، علامہ، کلام رضا کا تحقیقی اور ادبی جائزہ، مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی، جولائی 1976ء ص15۔
6۔ ایضاً، ص17۔
7۔ مسعود احمد، ڈاکٹر، انتخاب حدائقِ بخشش، سرہند پبلی کیشنز، کراچی، 1995ء، ص308۔
8۔ صبیح رحمانی (مرتب) نعت رنگ، کراچی، کتابی سلسلہ، شمارہ نمبر 18، دسمبر 2005ء، ص581۔
9۔ شرر مصباحی، فضل الرحمن، ڈاکٹر، حدائقِ بخشش کا فنّی و عروضی جائزہ رضا اکیڈمی بمبئی (انڈیا) 1997ء ص4، 5، 9۔
10۔ وجاہت رسول قادری، سید صاحبزادہ، (ذاتی لائبریری سے دیکھنے کو ملی تھی)۔
11۔ شرر مصباحی، ص368۔
12۔ شرر مصباحی، (تصحیح) حدائقِ بخشش ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراچی، 1999ء، ص288۔
13۔ حدائقِ بخشش، مکتبۃ المدینہ، شہید مسجد، کھارادر، کراچی، س ن، ص38۔
14۔ رازؔ امجدی، وثائقِ بخشش (حصّۂ اوّل) شرح حدائقِ بخشش، مکتبہ امجدیہ دارالعلوم قادریہ رضویہ، ملیر، سعود آباد، کراچی، فروری 1976ء، ص286۔
15۔ ایضاً، ص3۔
16۔ ایضاً، ص8۔
17۔ برق، طلحہ رضوی، ڈاکٹر، اُردو کی نعتیہ شاعری، دانش اکیڈمی ملکی محلہ، آرہ بہار (انڈیا) جنوری 1974ء، ص54۔
18۔ شمس بریلوی، کلام رضا کا تحقیقی اور ادبی جائزہ، مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی، جولائی 1976ء، ص13۔
19۔ اخترؔ الحامدی، امام نعت گویاں، مکتبۂ فریدیہ، جناح روڈ، ساہیوال، 1977ء، ص144۔
20۔ فرمان فتح پوری، ڈاکٹر، اُردو کی نعتیہ شاعری، آئینہ ادب چوک مینار، انارکلی، لاہور 1974ء ص86۔

21۔ اختر الحامدی، امام نعت گویاں، مکتبہ فریدیہ جناح روڈ، ساہیوال، 1977ء، ص9۔
22۔ ایضاً، ص24۔
23۔ ایضاً، ص30۔
24۔ اوّل قادری، مولانا صوفی، سخن رضا مطلب ہائے حدائق بخشش، مکتبہ دانیال، اُردو بازار، لاہور، 1992ء، ص432۔
25۔ اشفاق، سید رفیع الدین، ڈاکٹر اُردو میں نعتیہ شاعری، اُردو اکیڈمی سندھ، کراچی، اکتوبر 1976ء، ص380۔
26۔ اوّل قادری، مولانا صوفی، سخن رضا مطلب ہائے حدائق بخشش، مکتبہ دانیال، اُردو بازار، لاہور، 1992ء، ص5۔
27۔ ایضاً، 27۔
28۔ محمد خان قادری، مفتی شرح سلامِ رضا، مرکزِ تحقیقات اسلامیہ، لاہور، دوم 1994ء، ص586۔
29۔ یونس شاہ گیلانی، سید پروفیسر، تذکرہ نعت گویانِ اُردو، مکہ بکس، اردو بازار، لاہور، نومبر 1984ء، ص131۔
30۔ محمد خان قادری، مفتی، شرح سلامِ رضا، مرکزِ تحقیقات اسلامیہ، لاہور، دوم 1994ء، 33۔
31۔ ایضاً، ص21۔
32۔ فیض احمد اویسی، مولانا، شرح حدائق بخشش، اوّل، مکتبہ اویسیہ رضویہ، بہاولپور، 1994ء، ص368۔
33۔ جاوید اقبال، محمد، پروفیسر، مخزنِ نعت (انتخاب) علمی کتاب خانہ، اُردو بازار، لاہور، مارچ 1979ء، ص16۔
34۔ محمد طاہر قریشی، فہرست کتب خانہ، نعت ریسرچ سینٹر، نارتھ ناظم آباد، کراچی، ص20۔
35۔ شرح حدائق بخشش، اوّل ص7۔
36۔ فیض احمد اویسی، ص12۔
37۔ ایضاً، ص15۔
38۔ عثمانی، شاہ رشاد، ڈاکٹر اُردو شاعری میں نعت گوئی، مجلسِ مصنّفین اسلامی، گیا، (انڈیا) 1991ء، ص249۔
39۔ مسعود احمد، پروفیسر، ص320۔
40۔ ایضاً، ص306۔
41۔ آزاد فتح پوری، محمد اسماعیل، ڈاکٹر اُردو شاعری میں نعت (جلد دوم)، شمیم بک ڈپو لکھنو (انڈیا)، 1992ء، ص54۔
42۔ شرر مصباحی، ص362۔
43۔ ایضاً، ص4,5۔
44۔ جاوید صدیقی، محمد مظفر عالم، ڈاکٹر اُردو میں میلاد النبی فکشن ہاؤس، مزنگ روڈ لاہور، مارچ 1998ء، ص526۔
45۔ مصروف برکاتی نوری، مولانا عبد الستار ہمدانی فنِّ شاعری اور حسان الہند ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا انٹر نیشنل کراچی، 2004ء، ص320۔
46۔ ایضاً، ص15۔
47۔ ایضاً، ص12۔
48۔ عاصی کرنالی، ڈاکٹر، اردو حمد و نعت پر فارسی شعری روایت کا اثر، اقلیمِ نعت، کراچی، جون 2001ء، ص365۔
49۔ محمد طاہر قریشی، ص176۔
50۔ محمد اسحاق قریشی، ڈاکٹر، برِّصغیر پاک و ہند میں عربی نعتیہ شاعری، محکمہ اوقاف حکومت پنجاب، دسمبر 2002ء، ص869۔
51۔ صبیح رحمانی (مرتب)، نعت رنگ کراچی (اعلیٰ حضرت احمد رضا شاہ بریلوی نمبر) شمارہ نمبر 18، دسمبر 2005ء، ص804۔
52۔ ایضاً، ص14۔
53۔ ایضاً، ص562۔
54۔ ایضاً، ص640۔
55۔ ایضاً، ص28۔
56۔ ایضاً، ص701۔
57۔ ایضاً، ص352۔
58۔ غلام حسن قادری، مولانا، شرح کلامِ رضا فی نعت المصطفیٰ المعروف شرح حدائق بخشش، مشتاق بک کارنر، الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور، ص22۔
59۔ ایضاً، ص22۔
60۔ عقیل احمد عباسی، لیلۃ النعت، کراچی، مجلہ گل بہار نعت کونسل پاکستان، لیاقت چوک، گلبہار، کراچی، 95-1994ء، ص40۔
61۔ شرح کلامِ رضا فی نعت المصطفیٰ، ص23۔
62۔ نعت رنگ، ص20۔
63۔ عبد النعیم عزیزی، ڈاکٹر، اُردو نعت گوئی اور فاضل بریلوی، ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی، 2008ء، ص678۔
64۔ ایضاً، ص8۔
65۔ ایضاً، ص14۔
66۔ نعت رنگ، ص111۔
67۔ ایضاً، ص230۔

*****

جانیے

ازافادات: **امام احمد رضا محدث بریلوی**
ترتیب: **فرحان احمد قادری** (مصطفوی شریعہ کالج، کراچی)

Abstract: Imam Ahmad Raza was a popular religious figure among the public and ulema. Ulema, Sufi masters and judges consulted him for rulings. Likewise masses approached him for solutions to daily-life affairs. This article presents a collection of Raza's rulings on those common questions from vol.24 (new edition) of *Fatawa-e Razavia*.

امام احمد رضا مرجعِ خواص و عوام تھے۔ آپ کے زمانے کے علما و مشائخ، والیانِ ریاست و جج صاحبان آپ کی طرف مسائل کے حل کے لیے رجوع کرتے تھے۔ ان کے ساتھ ساتھ عام مسلمان بھی اپنے روز مرّہ کے معاملات میں آپ سے شرعی احکام معلوم کرتے۔ معارف رضا میں ان فتاوٰی کو "جانیے" کے عنوان سے پیش کیا جاتا ہے۔ اس ماہ کا انتخاب فتاوٰی رضویہ کی تخریج شدہ جلد ۲۴ سے ماخوذ ہے۔ بطورِ حوالہ متعلقہ صفحہ نمبر (قوسین) میں درج کر دیئے گئے ہیں۔

بیل اور بکرے کو خصّی کرنا

بالاتفاق جائز ہے کہ اس میں منفعت ہے۔ خصی کا گوشت بہتر ہوتا ہے اور خصی بیل محنت کی زیادہ برداشت کرتا ہے، اور تحقیق یہ ہے کہ اگر جانور کے خصی کرنے میں واقعی کوئی منفعت یا دفع مضرت مقصود ہو تو مطلقاً حلال ہے اگرچہ جانور غیر ماکول اللحم ہو مثلاً بلی وغیرہ ورنہ حرام ہے، اسی اصل کی بنا پر ہمارے علما گھوڑے کو خصی کرنا بھی جائز جانتے ہیں جبکہ مقصود دفع شرارت ہو اگرچہ بعض منع فرماتے ہیں: اس لئے کہ اس میں آلہ جہاد کی تقلیل ہے، میں کہتا ہوں کہ موجود معدوم نہیں ہوتا اور موہوم کا اعتبار نہیں ہوتا۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ لونڈی سے "عزل" علی الاطلاق جائز ہے جبکہ آزاد عورت سے اس کی اجازت پر موقوف ہے بخلاف کھانے کے کہ اس میں موجود کو معدوم کرنا ہے۔

ہاں آدمی کا خصی کرنا بالاجماع مطلقاً حرام ہے۔ در مختار میں ہے: وجاز خصاء البهائم حتی الهرة واما خصاء الاٰدمی فحرام قیل والفرس وقیدوه بالمنفعة والافحرام ۲۔ چوپایوں کو خصی کرنا جائز ہے لیکن آدمی کو خصی کرنا حرام ہے اور کہا گیا کہ گھوڑے کو بھی۔ اور فقہائے کرام نے خصی کرنے میں فائدہ اور نفع کی قید لگائی ہے اور اگر یہ نہ ہو تو پھر حرام ہے۔ (ص:۶۵۳)

شکرہ یا باز پالنا

شکرہ و باز پالنا درست ہے، اور ان سے شکار کرانا اور اس کا کھانا بھی درست ہے۔ لقوله تعالیٰ: وماعلمتم من الجوارح۔ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی وجہ سے "اور جن زخمی کرنے والے جانوروں کو تم نے شکار کرنے کا طریقہ سکھار کھا ہے۔" (القرآن الکریم)

مگر یہ ضرور ہے کہ شکار غذا و دوا یا کسی نفع صحیح کی غرض سے ہو، محض تفریح و لہو و لعب نہ ہو، ورنہ حرام ہے، یہ گنہگار ہو گا، اگرچہ ان کا مارا ہوا جانور جبکہ وہ تعلیم پا گئے ہوں اور بسم اللہ کہہ کر چھوڑا ہو حلال ہو جائے گا۔ فان حرمة فی کونه ذکاة شرعیة لکن سمی الله تعالیٰ وضرب الغنم من قفاه حر الفعل وحل الاکل۔ کسی شکاری جانور کو محض تفریح طبع کے طور پر شکار کرنے کے لئے چھوڑنے کی حرمت اس کے شرعی طور پر ذبح ہونے کے منافی یا مخالف نہیں لیکن اللہ تعالیٰ کا نام لے کر چھوڑے جیسے کسی شخص نے اللہ تعالیٰ کا نام لے کر بکری کی گدّی کی طرف سے ضرب لگائی اگرچہ فعل حرام ہے مگر اس کا کھانا حلال ہے۔ (ص:۶۵۴)

بٹیر یا مرغ کا لڑانا

بٹیر بازی، مرغبازی اور اسی طرح ہر جانور کا لڑانا جیسے مینڈھے لڑاتے ہیں لعل لڑاتے ہیں؛ یہاں تک کہ حرام جانوروں مثلاً ہاتھیوں ریچھوں کا لڑانا بھی سب مطلقاً حرام ہے کہ بلاوجہ بے زبانوں کو ایذا ہے۔

حدیث میں ہے: رسول اللہ ﷺ نے جانوروں کے لڑانے سے منع فرمایا (امام ابوداؤد اور امام ترمذی نے اس کو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے حوالے سے روایت کیا اور امام ترمذی نے فرمایا: حدیث حسن صحیح ہے۔)۔ (ص:۶۵۵)

کبوتر پالنا

کبوتر پالنا جبکہ خالی دل بہلانے کے لیے ہو اور کسی امر ناجائز کی طرف مؤدی نہ ہو جائز ہے اور اگر چھتوں پر چڑھ کر اڑائے کہ مسلمانوں کی عورات پر نگاہ پڑے یا ان کے اڑانے کو کنکریاں پھینکے جو کسی کا شیشہ توڑیں یا کسی کی آنکھ پھوڑیں یا کسی کا دم بڑھائے اور تماشا ہونے کے لئے دن بھر انہیں بھوکا اُڑائے جب اُترنا چاہیں نہ اُترنے دیں ایسا پالنا حرام ہے، در مختار میں ہے : کبوتروں کو روک رکھنا اگرچہ ان کے برجوں میں ہو مکروہ ہے اگر لوگوں کو نقصان پہنچا ہو دیکھنے یا پکڑنے کی وجہ سے، اور احتیاط یہ ہے کہ انہیں خیرات کر دیا جائے پھر انہیں خریدے یا اسے ہبہ کئے جائیں، مجتبیٰ، پھر اگر چھتوں پر چڑھ کر اڑانے کہ مسلمانوں کی پردہ دار خواتین پر نگاہ پڑے یا انہیں اڑانے کے لئے کنکر پھینکنے جن سے لوگوں کے گھروں کی کھڑکیوں روشندانوں کے شیشے ٹوٹنے کی نوبت آئے تو یہ سخت منع ہے اور اگر اس حرکت سے باز نہ آئے تو حاکم شہر انہیں ذبح کرا ڈالے۔ اور وہبانیہ میں تصریح ہے کہ اس صورت میں سزا دینا اور کبوتروں کو ذبح کر ڈالنا واجب ہے اور انہوں نے گزشتہ قید کا ذکر نہیں کیا شاید انہوں نے فقہائے کرام کی عادت پر اعتماد کیا ہے اور اگر کبوتر پروری صرف دل بہلانے اور انس کے لئے ہو تو مباح ہے۔ (در مختار، کتاب الحظر والاباحۃ)

صحیح بخاری وغیرہ میں عبداللہ بن عمر اور صحیح ابن حبان میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں : ایک عورت دوزخ میں گئی ایک بلی کے سبب کہ اسے باندھ رکھا تھا، نہ اسے کھانا دیا نہ چھوڑا کہ زمین کے چوہے وغیرہ کھا لیتی۔ ابن حبان کی حدیث میں ہے : وہ بلی دوزخ میں اس عورت پر مسلط کی گئی ہے کہ اس کا آگا پیچھا دانتوں سے نوچ رہی ہے۔ ایک حدیث میں حکم ہے کہ جو جانور پالو دن میں ستر بار اسے دانہ پانی دکھاؤ نہ کہ گھنٹوں پہروں بھوکا پیاسا رکھو اور نیچے آنا چاہے تو آنے نہ دو۔ علما فرماتے ہیں جانور پر ظلم کافر ذمی پر ظلم سے سخت تر ہے اور کافر ذمی پر مسلمان پر ظلم سے اشد ہے (جیسا کہ در مختار وغیرہ میں ہے۔) اور رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں : ظلم ظلمتیں ہوگا قیامت کے دن۔ (صحیح بخاری، ابواب المظالم والقصاص) اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے : ان لعنة الله على الظّٰلمين ۲؎۔ سن لو اللہ کی لعنت ہے ظلم کرنے والوں پر (القرآن الکریم)۔ (ص:۶۵۷)

کتا یا سگ کا پالنا

کتا پالنا حرام ہے، جس گھر میں کتا ہو اس گھر میں رحمت کا فرشتہ نہیں آتا، روز اس شخص کی نیکیاں گھٹتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں : فرشتے نہیں آتے اس گھر میں جس میں کتا یا تصویر ہو۔ (امام بخاری، مسلم، احمد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے اس کو حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے حوالہ سے روایت کیا ہے۔) اور فرماتے ہیں ﷺ : جو کتا پالے مگر گلی کا کتا یا شکاری، روز اس کی نیکیوں سے دو قیراط کم ہوں (ان قیراطوں کی مقدار اللہ ورسول جانے جل جلالہ، ﷺ)

تو صرف دو قسم کے کتے اجازت میں رہے ایک شکاری جسے کھانے یا دوا وغیرہ منافع صحیحہ کے لئے شکار کی حاجت ہو، نہ شکار تفریح کہ وہ خود حرام ہے، دوسرا وہ کتا جو گلے یا کھیتی یا گھر کی حفاظت کے لئے پالا جائے اور حفاظت کی سچی حاجت ہو، ورنہ اگر مکان میں کچھ نہیں کہ چور لیں یا مکان محفوظ جگہ ہے کہ چور کا اندیشہ نہیں، غرض جہاں یہ اپنے دل سے خوب جانتا ہو کہ حفاظت کا بہانہ ہے اصل میں کتے کا شوق ہے وہاں جائز نہیں، آخر آس پاس کے گھر والے بھی اپنی حفاظت ضروری سمجھتے ہیں اگر بے کتے کے حفاظت نہ ہوتی تو وہ بھی پالتے، خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کے حکم میں حیلہ نہ نکالے کہ وہ دلوں کی بات جاننے والا ہے۔ (ص:۶۵۸)

(پتنگ) کنکیا، ڈور اور مانجھا فروخت کرنا

کنکیا اڑانے میں وقت، مال کا ضائع کرنا ہوتا ہے۔ یہ بھی گناہ ہے اور گناہ کے آلات کنکیا ڈور بیچنا بھی منع ہے احتراز کریں۔ (ص:۶۵۹)

کبوتر، مرغ باز اور کنکیا، ڈور فروخت کرنے والوں سے سلام

ان لوگوں سے ابتدا اسلام سے نہ کی جائے اور جواب دے سکتے ہیں، واجب نہیں۔ (ص:۶۵۹)

نقصان دہ بلی یا کتا کو مار ڈالنا

کاٹتے ہوں تو درست ہے قتل ان کا۔ (ص:۶۶۰)

(پتنگ) کنکیا آکر گھر پر گرے اور معلوم نہ ہو کہ کس کی ہے

کنکیا لُوٹنا حرام، اور خود آکر گر جائے تو اسے پھاڑ ڈالے، اور اگر معلوم نہ ہو کہ کس کی ہے تو ڈور کسی مسکین کو دے دے کہ وہ کسی جائز کام میں صَرف کرلے، اور خود مسکین ہو تو اپنے صرف میں لائے،

پھر جب معلوم ہو کہ فلاں مسلم کی ہے اور وہ اس تصدق یا اس مسکین کے اپنے صرف پر راضی نہ ہو تو دینی لازم آئے گی اور کنکیا کا معاوضہ بہر حال کچھ نہیں۔ کنکیا اڑانا منع ہے اور لڑانا گناہ۔ (ص:۶۶۰)

بلی تکلیف دیتی ہو تو اس کو بستی میں چھڑوانا

بلی اگر ایذا دیتی ہو تو اسے باہر چھوڑ دینے میں حرج نہیں اور تیز چھری سے ذبح بھی کر سکتے ہیں، مگر چھڑوانا ایسی جگہ جائز نہیں جہاں سے وہ اپنے کسی رزق تک نہ پہنچ سکے۔ (ص:۶۶۰)

بندر کو اپنے گھر میں پالنا مکروہ اور ناپسندیدہ کام ہے

ہاں بیشک (اس کا پالنا مکروہ ہے) اس لئے کہ وہ فاسق جانوروں میں شمار ہے۔ پس اس سے سوائے ایذا رسانی اور کچھ نہیں ہوتا، اگر کبھی تابع کیا جائے جیسا کہ قلندر لوگ (آزاد منش) کیا کرتے ہیں تو یہ بھی حرام ہے جیسا کہ در مختار میں مذکور ہے۔ (ص:۶۶۱)

اگر گائے یا بھینس کا بچہ مر جائے اور اس بچہ کے چمڑے کو سکھا کر بصورت بچہ کے بنا کر اور گائے کے سامنے رکھا، دودھ دوہنا جائز ہے یا نہیں؟

جائز ہے۔ (ص:۶۶۱)

چیونٹیوں کو دانہ ڈالنا جائز ہے یا ناجائز؟

جائز و کار ثواب ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ہر جاندار کی خدمت کرنے میں اجر ہے، بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ سے اس کو روایت کیا، اور امام احمد نے عبد اللہ بن عمرو سے اور ابن ماجہ نے سراقہ بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے اس کو روایت کیا۔ (ص:۶۶۱)

بکر نے اپنی اولاد کے نام تین زبانوں میں رکھ چھوڑے ہیں عربی انگریزی ہندی۔ ایک لڑکے کا مطیع الاسلام ہے، دوسرے کا پالس، لڑکی کا نام کنول دیوی۔

یہ اس کا فعل شیطانی شیطانی حرکت ہے۔ قال اللہ تعالیٰ: یاایھاالذین اٰمنواادخلوا فی السلم کافۃ ولاتتبعوا خطوات الشیطٰن انہ لکم عدو مبین۔ اے ایمان والو! اسلام میں مکمل طور پر داخل ہو جاؤ اور شیطان کی پیروی نہ کرو کیونکہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ (القرآن الکریم)۔ طحطاوی علی الدر المختار وابو السعود الازہری علی الکنز میں ہے: ناموں کی ایک قسم کفار سے مختص ہے جیسے جرجس، پطرس اور یوحنا وغیرہ لہٰذا اس نوع کے نام مسلمانوں کے لیے رکھنے جائز نہیں کیونکہ اس میں کفار سے مشابہت پائی جاتی ہے۔ (ص:۶۶۳)

بعض لوگ اپنے نام کے آگے صدیقی اور رضوی لکھا کرتے ہیں، یہ لکھنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر لکھا جائے تو کچھ گناہ ہے؟

اگر نسبت صحیح ہے جائز ورنہ حرام۔ (ص:۶۶۴)

زید اپنے نام کے ساتھ اسرائیلی لکھتا ہے۔ کیا یہ گناہ ہے؟

اسرائیل سیدنا یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام مبارک ہے۔ قال اللہ تعالیٰ: كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيٓ اِسْرَآءِيْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِيْلُ عَلٰى نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ (سُوْرَۃُ اٰلِ عِمْرٰن، آیت ۹۳) سب کھانے بنی اسرائیل کے لئے حلال تھے مگر وہ چیز جو اسرائیل (حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے نزول تورات سے پہلے اپنی ذات پر حرام ٹھہرا لی (اونٹ کا گوشت اور دودھ وغیرہ)۔ (القرآن الکریم)

زید اگر نسباً بنی اسرائیل سے ہے تو اس کا اپنے آپ کو اسرائیلی کہنا بجا ہے اور اس کے ناجائز ہونے کی کوئی وجہ نہیں؛ البتہ اب یہ لفظ مسلمانوں میں اجنبی سا ہو گیا ہے لوگ اسرائیلی کو محمدی کے مقابل سمجھتے ہیں اور اجلّہ اکابر کے کلام پاک میں یہ مقابلہ آیا ہے؛ حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: یا اسرائیل قف واسمع کلام المحمدی۔ ٹھہر جایئے اے اسرائیلی! ذرا محمدی نسبت رکھنے والے (یعنی ایک مسلمان محمدی) کا کلام سن لیجیے۔ (بہجۃ الاسرار)

نسبت نسب و مذہب دونوں اعتبار سے ہوتی ہے اور یہاں بحسب نسب یہ نسبت بہت کم مسموع، لہٰذا عوام مسلمین اسے سن کر چونکتے ہیں اور بلا ضرورت ایسی بات پر اقدام شرع مطہر کو پسند نہیں۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: بشّروا ولاتنفّروا۔ خوش خبری سنایا کرو لہٰذا ایک دوسرے کو نفرت نہ دلایا کرو۔ دوسری حدیث میں ہے: ایاك ومایسوٴ الاذن۔ اس سے بچو جو کانوں کو بری لگے (یعنی غیبت سے بچو) لہٰذا اپنے نام کے ساتھ یہ نسبت لکھنی نامناسب و قابلِ ترک ہے، مگر گناہ و حرام اب بھی نہیں۔ (ص:۶۶۵۔۶۶۴)

عبد النبی اور عبد المصطفیٰ نام رکھنا کیسا ہے؟

ہر مسلمان پر لازم ہے کہ اپنے آپ کو حضور اقدس ﷺ کا مملوک جانے، تمام عالم ہی ان کے رب عزوجل کی عطا سے ان کی ملک

ہے، شاہ عبدالعزیز صاحب "تحفۂ اثنا عشریہ" میں توریت مقدس سے نقل فرماتے ہیں کہ رب عزوجل حضورِ اقدس ﷺ کی نسبت فرماتا ہے: ملك الارض و رقاب الامم۔ احمد مالک ہیں تمام زمین کے اور مالک ہیں سب امتوں کی گردنوں کے۔ شاہ ولی اللہ صاحب "ازالۃ الخفا" میں حدیث نقل کرتے ہیں امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابہ کرام کو جمع فرما کر اس مجمع کے سامنے خطبہ میں حضور اقدس ﷺ کا ذکر شریف کرکے فرمایا: کنت عبدہ وخادمہ کالسیف المسلول بین یدیہ۔ میں حضور کا عبد تھا بندہ تھا خادم تھا اور حضور کے سامنے تیغ برہنہ کی طرح تھا۔ (المستدرک)

امام طحاوی شرح معانی الآثار میں روایت فرماتے ہیں حضرت اعشی مازنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر عرض کی: یامالك الناس ودیّان العرب۔ اے تمام آدمیوں کے مالک اور عرب کے جزا و سزا دینے والے۔ (شرح معانی الآثار)، شفاء امام قاضی عیاض و مواہب لدنیہ امام احمد قسطلانی میں ہے حضرت سیدنا سہل بن عبداللہ تستری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: من لم یرنفسه فی ملك النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم لم یذق حلاوۃ سنّته۔ جو اپنے آپ کو نبی ﷺ کا مملوک نہ جانے اس نے ان کی سنّت کا مزہ نہ چکھا۔ (المواہب اللدنیۃ)

بالجملہ اس معنیٰ پر تمام جہان ان کی ملک ان کا بندہ ان کا عبد ہے یوں اپنا لقب عبدالنبی، عبدالرسول، عبدالمصطفیٰ رکھنا عین سعادت ہے، اور اس سے اسلام و کفر کا فرق روشن ہے کہ اللہ عزوجل کی عبدیت سے کسی کافر کو بھی استنکاف نہ ہوگا حتّٰی کہ وہابیہ بھی بڑی خوشی سے اپنے آپ کو عبداللہ کہیں گے۔ اگرچہ واقع میں شیخ نجدی کے بندے اور عبدالشیطان ہیں، مگر مصطفیٰ ﷺ کا بندہ ہرگز اپنے آپ کو نہ بتائیں گے۔

عبدالنبی اور عبدالشیطان دونوں عبداللہ ہیں، وہ عبدالنبی ہیں جن کو فرمایا: فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ۔ (اے نفسِ مطمئنہ) میرے بندوں میں شامل ہو جا اور میری جنت میں داخل ہو جا۔ (القرآن الکریم) اور وہ عبدالشیطان ہیں جن کو فرمایا: یٰحَسْرَۃً عَلَی الْعِبَادِ مَایَاْتِیْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ (سُوْرَۃُ یٰسٓ، آیت ۳۰) ہائے افسوس (نافرمان) بندوں پر کہ ان کے پاس (خدا کا) کوئی رسول نہیں آتا مگر یہ اس کے ساتھ ہنسی و مذاق کرتے ہیں۔ (القرآن الکریم)

مگر عبدالشیطان ہرگز عبدالنبی عبدالمصطفیٰ نہیں ہو سکتا اور اسے معاذاللہ حضورِ اقدس ﷺ کی توہین سے کیا علاقہ، نقل کرنے والے نے ضرور غلط نقل کیا یا غلط سمجھا، ہاں عبد بمعنی بندۂ خاص یعنی مطیع و فرمان بردار ہونا ضرور دشوار ہے اور بایں معنیٰ عبد اللہ و عبدالنبی ایک ہے کہ: مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (سُوْرَۃُ النِّسَآء، آیت ۸۰) جو شخص رسول اللہ کی اطاعت کرتا ہے اس نے درحقیقت اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔ (القرآن الکریم) اس معنیٰ پر اپنے آپ کو اس وصفِ عظیم سے یاد کرنا ضرور تزکیہ نفس و خودسرائی ہے کہ بنصِ قرآنِ مجید حرام ہے، قال اللہ تعالیٰ "لاتزکوا انفسکم"، (اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "اپنے نفوس کو پاکیزہ نہ بناؤ۔") (القرآن الکریم)

جو لوگ اپنا لقب مطیع النبی، مطیع الرسول رکھیں جاہل بے خرد ہیں یا قرآنِ عظیم کے دانستہ مخالف۔ خود انہیں کا قول ان کی تکذیب کو بس ہے جو مطیع النبی و مطیع الرسول ہوگا ہرگز اپنے نفس کا تزکیہ نہ کرے گا۔ (ص: ۲۶۸۔۲۶۶)

فقیر کے اس بارے میں تین رسالے ہیں جو میرے مجموعہ فتاوٰی میں ہیں۔ ایک دربارۂ غلام مصطفیٰ اور اس کا جواز دلائل سے ثابت کیا ہے۔ دوسرا دربارۂ عبدالمصطفیٰ اور اس میں یہ تحقیق کیا ہے کہ توصیفاً بلاشبہہ جائز اور اجلہ صحابہ سے ثابت، کراہت کہ بعض متاخرین نے لکھی جانب تسمیہ راجع ہے۔ تیسرے میں اسمائے کثیرہ سے بحث ہے اور اس میں محمد بخش اور اس کے امثال کا جواز ثابت کیا ہے۔ یہ تینوں رسالے ابھی طبع نہ ہوئے۔ علامہ عابد سندھی مدنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے طوالع الانوار میں اور حاشیہ در مختار میں عبدالنبی و عبدالرسول کا جواز بہت احادیث سے ثابت کیا ہے۔ علامہ جمال بن عبداللہ بن عمر رحمۃ اللہ علیہ مفتی حنفیہ بمکہ مکرمہ کے فتاوٰی میں بھی اس کا جواز مصرح ہے۔ کنیز و نذر و خادم کے ساتھ نام رکھنے میں بھی حرج نہیں، زمانۂ سلف میں رواج نہ ہونا مستلزم ممانعت نہیں۔ دو دو تین تین ناموں پر مشتمل نام رکھنا جیسے محمد علی حسین اس کا بھی رواج سلف کبھی نہ تھا سادے ایک لفظ کے نام ہوتے تھے۔ (ص: ۲۶۸)

⋏ ⋏ ⋏ ⋏

مارہرہ، بدایوں اور بریلی

محمد عبدالمجید اقبال میاں بدایونی (پی آئی بی کالونی، کراچی)

شاہ ابوالحسین نوری میاں مارہروی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید مولانا غلام شبر بدایونی نے حضرت نوری میاں کے حالات "مدائح حضورِ نور" الملقب بہ "تنویر العین من کنز مدائح السیّد ابی الحسین" کے نام سے دو حصّوں میں ترتیب دیے۔ پہلا حصہ حضرت نوری میاں کے اجداد و مشائخ اور دوسرا حصہ حضرت کی سوانح و آثار پر مشتمل ہے۔ دوسرے حصے میں مولانا غلام شبر بدایونی نے امام احمد رضا کا حضرت نوری میاں کے خلیفہ کے طور پر تعارف تحریر کیا ہے اور اپنے امام احمد رضا سے خصوصی تعاون کا ذکر بھی کیا ہے۔ پہلا حصہ ۱۳۳۴ھ میں طبع ہوا۔ دوسرے حصے کا قلمی نسخہ پروفیسر محمد ایوب قادری مرحوم (وفاقی اُردو کالج کراچی) کے پاس محفوظ تھا جس کو ان کے مقدمہ اور حواشی کے ساتھ "تذکرۂ نوری" کے نام سے مولانا محمد اسلم علوی نے سنّی دار الاشاعت علویہ رضویہ لائلپور سے ۱۹۶۸ء میں شایع کیا۔ پیش لفظ جناب محمد عبدالمجید اقبال بدایونی نے تحریر کیا۔ اشاعت کی وجہ غالباً یہ خیال تھا کہ دوسرا حصہ پہلے کبھی طبع نہیں ہوا۔ تاہم پہلے حصے کی طرح دوسرا حصہ بھی امیر الاقبال پریس بدایوں سے شایع ہو چکا تھا اور اسی زمانے میں تاج العلما سید محمد میاں مارہروی نے اس کتاب کی اصلاح میں ایک تحریر "مدائح نور پر ایک تنقیدی نظر" بھی تصنیف فرمائی تھی۔ "مدائح حضور نور" کے دونوں حصوں کی اولین اشاعتوں کا نسخہ سید بسم اللہ شاہ (میوہ شاہ قبرستان، کراچی) کے پاس محفوظ ہے۔ راقم الحروف کی گزارش پر انھوں نے ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کی لائبریری کے لیے عکس بنوانے کی اجازت دی، ادارہ اس عنایت پر ان کا ممنون ہے۔ تاریخی اہمیت کے پیش نظر ایوب قادری صاحب کا مقدمہ معارفِ رضا کے گزشتہ شمارے میں تذکرۂ نوری کے عنوان سے پیش کیا گیا۔ اِس ماہ "تذکرۂ نوری" کا پیش لفظ درج بالا عنوان کے تحت شایع کیا جارہا ہے۔ (عبید)

پورب کا قصبہ بلگرام نہایت مردم خیز مقام ہے۔ یہاں سے بڑے بڑے صوفیہ و علما اور اربابِ علم و فضل اٹھے اور ان کی شہرت چاردانگِ عالم میں پھیلی۔ ان اکابر کے حالات میر غلام علی آزاد بلگرامی نے اپنی تصانیف "مآثر الکرام" وغیرہ میں نہایت تفصیل سے بیان کیے ہیں۔ میر عبدالواحد بلگرامی (ف۱۰۱۷ھ) اکبری دور کے نامور شیخ طریقت گزرے ہیں۔ ان کے فرزند میر عبدالجلیل بلگرامی (ف۱۰۵۷ھ) نے بلگرام کی سکونت ترک کرکے مارہرہ (ضلع ایٹہ، یوپی) کو اپنی اصلاح و تبلیغی سرگرمیوں کا مرکز بنایا۔ کمبویان مارہرہ کے ایک نام ور بزرگ چودھری وزیر محمد خاں، میر عبدالجلیل کے مرید ہوگئے اور انھوں نے میر صاحب کو مکانات تعمیر کرا کے دیے۔ میر صاحب کی آمد و رفت کا سلسلہ بلگرام میں بھی رہا۔

میر عبدالجلیل کے پوتے شاہ برکت اللہ (ف ۱۱۴۲ھ) بن میر اویس (ف۱۰۹۷ھ) نے باقاعدہ مارہرہ میں سکونت اختیار کی۔ وہ نام ور صوفی شیخ تھے۔ صاحب البرکات شاہ برکت اللہ کے بعد ان کے فرزند اکبر شاہ آل محمد سجادہ نشین ہوئے۔ ۱۱۶۴ھ میں ان کا وصال ہوا۔ اس کے بعد شاہ حمزہ مارہروی نامی گرامی شیخ طریقت تھے۔ بڑے بڑے امرا حضرت کے حلقۂ ارادت میں منسلک تھے۔ شاہ حمزہ کا وصال ۱۱۹۸ھ میں ہوا۔ ان کے بعد ان کے خلفِ اکبر حضرت شمس الدین ابوالفضل سید احمد الملقب بہ اچھے میاں قدس سرہٗ سجادہ نشین ہوئے۔

حضور اچھے میاں کے زمانے میں خانوادۂ برکاتیہ کی شہرت دور دور ہوئی؛ شہر بدایوں آپ کے فیوض و برکات سے خاص طور سے مستفیض ہوا۔ آپ ہی کے زمانے سے بدایوں کا مشہو عثمانی خاندان حلقۂ ارادت میں منسلک ہوا۔ اس خاندان کے دوسرے اکابر بزرگ تو سلسلہ عالیہ مارہرہ سے پہلے ہی سے وابستہ تھے، مگر حضرت شاہ عین الحق عبدالمجید قدس سرہٗ کے حضور اچھے میاں کے مرید و خلیفہ ہونے کے بعد جو تعلقات قائم ہوئے وہ تاایں دم قائم ہیں۔ شاہ عین الحق بدایونی حضور اچھے میاں کے مشہور اور خاص خلیفہ تھے۔ آپ نے بدایوں سے سلسلۂ عالیہ قادریہ کی خوب نشر و اشاعت کی اور بدایوں مارہرہ شریف کی شاخ قرار پائی۔ حضرت شاہ عین الحق عبدالمجید کے مرید ہونے کا بھی خاص واقعہ ہے۔ حکیم عنایت حسین مارہروی لکھتے ہیں: "بروایت جناب مستطاب رسالت پناہ ﷺ وجناب حضرت غوث الثقلین مشرف گردید و ہمدراں واقعہ دید کہ حضرت جناب عالی (حضور اچھے میاں) ہم باں مقام کدام پایہ قرب اختصاص ورشتہ اند وباشارہ جناب رسالت مآب ﷺ جناب غوث الاعظم دستش بدست جناب عالی می دہند۔" (آثار احمدی قلمی)

اس کے بعد حضرت عین الحق عبدالمجید، حضور اچھے میاں کے

مرید ہوئے اور اپنے مرشد کے مجبوب و مخصوص ومقرب ٹھہرے حکیم عنایت حسین لکھتے ہیں: "پس از طے مراحل سلوک وفقر بلباس صوفیہ وسند خلافت سلاسل عالیہ سرفرازی یافت۔ ملازم آستان قدسی گشت جناب عالی رابادے نظرے وغایتے خاص واورا باآں جناب نسبتی قومی بل اقوی بودہ چنانچہ اکثر جناب عالی می فرمودند کہ مولوی عبدالمجید بمقام ہل من مزید است وہمچو او طالبے صادق ویار موافق نیست۔" (آثار احمدی قلمی)

حضور اچھے میاں کے وصال کے بعد ۲۷۔۲۸ سال تک حضرت عین الحق عبدالمجید بدایوں میں مسندِ رشدو ہدایت پر جلوہ افروز رہے۔ آپ کے مریدین ومتوسلین و مستفیضین کا شمارا حاطۂ قیاس سے باہر ہے۔ آپ کے خاص تلامذہ مارہرہ میں شاہ آلِ رسول (ف۱۲۹۶ھ) اور شاہ غلام محی الدین امیر عالم (ف۱۲۸۶ھ) خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ شاہ آلِ رسول مارہروی کے خلیفہ اعلیٰ حضرت[1] مولانا شاہ احمد رضاخاں بریلوی ہیں۔ شاہ عین الحق عبدالمجید کے خلفامیں شاہ آل رسول مارہروی کے صاحبزادگان شاہ ظہور حسن صاحب مارہروی (ف۱۲۶۶ھ)، شاہ ظہور حسین مارہروی (ف۱۳۱۲ھ) میں بھی خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں۔ شاہ ظہور حسن صاحب مارہروی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے حضرت شاہ ابوالحسین نوری میاں رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ مولوی محمد یعقوب ضیاء القادری بدایونی رقم طراز ہیں: "ایک مرتبہ حضرت سیدی شاہ ظہور حسین چھوٹومیاں اور حضرت میاں صاحب قبلہ (حضرت شاہ ابوالحسین نوری میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ) دونوں بزگوار عرس شریف بدایوں میں رونق افروز تھے۔ متوسلین خاندان دونوں حضرات کی زیارت سے مشرف وممتاز تھے۔ اس موقعہ پر حلقہ مناقب میں مولوی نورالدین صاحب فرشوری بدایونی نے ایک قصیدہ منقبت صاحب عرس (شاہ عین الحق عبدالمجید) میں پڑھا جس میں نہایت پیارے لہجے میں دونوں حضرات کی جلوہ افروزی کو ظاہر کیا ہے اور اس قصیدے کے چند اشعار خالی از لطف نہیں ہیں[1]

شہر مارہرہ بدانی ورہش می دانی
ورنہ دانی تو ہمیں جاست نشان برکات

عین حق عبدالمجید است کہ سلطان مجید
دربدایون ست بیافیض رساں برکات

خلفش فضلِ رسول ہمہ تن فضلِ خدا
صاحب فضل بہ کو نین بسان برکات

صدرایں محفل ذوالقدر ظہور الحسن است
بوالحسین احمد نوری است کہ جان برکات

(اکمل التاریخ)

اس سے اکابر مارہرہ اور خاندان قادریہ بدایوں کے تعلقات کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ شاہ عین الحق عبدالمجید کے وصال (ف۱۲۶۳ھ) کے بعد ان کے سجادہ نشین اُن کے فرزند سیف المسلول مولانا شاہ فضل رسول بدایونی ہوئے۔ مولانا فضل رسول بدایونی دنیائے علم وفضل میں مشہور ومعروف ہیں۔ علمائے اہلِ سنّت میں ایک خاص امتیاز وشرف کے مالک ہیں۔ ان کی تصانیف میں سیف الجبار، تصحیح المسائل، احقاق الحق، بوراق محمدیہ وغیرہ مشہور ومعروف ہیں۔ ان کے تلامذہ میں نامور علما مثل مولانا فیض احمد بدایونی، مولوی عنایت رسول چریاکوٹی اور مفتی اسد اللہ الٰہ آبادی اور شاہ محمد صادق برکاتی مارہروی ہیں۔ آخرالذکر خاندان برکاتیہ عالیہ مارہرہ کے مشہور بزرگ اور نمائندے تھے آپ نے حضرت سیف المسلول سے علم طب علماً اور عملاً حاصل کیا تھا۔ سیتاپور میں آپ، مدت العمر بسلسلۂ وکالت مقیم رہے بہ آسریز میں مجسٹریٹ بھی مقرر ہوئے۔ آپ کا انتقال ۱۳۲۶ھ میں ہوا۔

اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں نے حضرت سیف المسلول کی کتاب "معتقد المنتقد" کی اشاعتِ ثانی پر ایک خطبہ لکھا ہے۔ اس میں لکھتے ہیں: "تعریف اس خدا کو جس نے انوار دین کے مینار کو جمال فضل رسول مبین سے منور فرمایا۔ اسی خدا نے نشانِ راہِ یقین کو حلال نقی علی مکین سے جس سے بند ہوگیا فساد مفسدین کا۔ برکت نازل فرمائے رب تعالیٰ حضرت سرور عالم پر اور ان کی آل واصحاب اور ان کے فرزند اور کے گروہ پر۔ امابعد، کتاب معتقد المنتقد خاتم المحققین عمدۃ المدققین سیف الاسلام شیر بیشۂ سُنّیت دور کرنے والے تاریکی کے، بند کرنے والے تاریکی کے، بند کرنے والے فتنہ کے، مولانا الاجل لابجل سیف المسلول، معین الحق فضل الرسول السُنّی الحنفی القادری البرکاتی العثمانی البدایونی بلند فرمائے حق تعالیٰ ان کے مقام کو

اعلیٰ علیین میں۔" (اکمل التاریخ جلد دوم، ص ۱۴۷)

حضرت سیف المسلول مولانا فضل رسول بدایونی کے انتقال (۱۲۷۹ھ) کے بعد ان کے فرزند حضرت محبِّ رسول مولانا عبدالقادر قادری بدایونی سجادہ نشین سلسلۂ عالیہ قادریہ بدایوں ہوئے۔ انہوں نے مروجہ علوم کی تعلیم مولانا نور احمد بدایونی سے حاصل کی، معقولات کی تحصیل مولانا فضل حق خیر آبادی سے؛ بیعت وخلافت اپنے والد حضرت سیف المسلول سے حاصل کی۔ ایک زمانہ ان سے مستفید ہوا۔ ان کے تلامذہ وخلفا کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ صاحبزادگان مارہرہ میں حضرت شاہ ابوالحسین نوری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت اسمٰعیل حسن اور شاہ حسین حیدر ان کے تلامذہ میں خاص طور سے قابل ذکر ہیں حضرت شاہ ابوالحسین نوری میاں کے سوانح نگار مولوی غلام شبر صاحب اسی کتاب ["مدائح حضور نور" حصہ دوم] میں لکھتے ہیں:

"حضرت مولانا مولوی محمد عبدالقادر صاحب عثمانی بدایونی خلف ارشد شاگردِ رشید ومرید وخلیفہ وصاحبِ سجادہ حضرت مولانا سیف المسلول مولوی فضل رسول صاحب عثمانی بدایونی جامع علوم ظاہری وباطنی تھے۔ صاحبزادگان حضرت مارہرہ سے خاص محبت وادب رکھتے تھے اکثر صاحبزادوں کو مولانا مرحوم سے تلمذ اور آپ کو اس نعمت کے حصول کا فخر حاصل تھا۔ صاحبزادہ سید حیدر حسین زید مجدہم، صاحبزادہ سید شاہ ظہور حیدر صاحب، صاحبزادہ حاجی سید اسمٰعیل حسن زید مجدہم، حضور سید شاہ مہدی حسن صاحب سجادہ برکاتیہ دامت برکاتہم، صاحبزادہ سید ارتضا حسین صاحب زید مجدہم، صاحبزادہ سید اولاد رسول محمد میاں صاحب دامت برکاتہم، آپ مولانا عبدالمقتدر صاحب علیہ الرحمۃ کے شاگرد ہیں، نے مدرسہ قادریہ حضور مولانا علیہ الرحمۃ میں قیام فرما کر علوم درسیہ مولانا مرحوم (مولانا عبدالقادر بدایونی) اور دیگر حضرات مدرسین مدرسہ عالیہ سے پڑھے۔۔۔ اکثر مسائل فقہ وکلام میں حسب ہدایت حضور خاتم الاکابر قدس سرہٗ حضور اقدس مولانا مرحوم سے مشورت فرماتے اور اپنی تصانیف کو بغیر مشورہ معائنہ حضور مولانا عبدالقادر بدایونی طبع کی اجازت نہ دیتے۔۔۔ حضور اقدس (شاہ ابوالحسین نوری میاں) مولانا مرحوم (مولانا عبدالقادر بدایونی) کو استادی فرماتے اور ادب استادانہ فرماتے۔۔۔ صد بار حضرت اقدس قدس سرہٗ کی زبان مبارک سے لفظ "اُستاذی" سنا اور نوازش نامجات میں لکھا دیکھا ہے۔"

حضرت تاج الفحول اور حضرت شاہ ابوالحسین نوری میاں میں بڑے مخلصانہ تعلقات تھے۔ مولوی غلام شبّر صاحب لکھتے ہیں: "الحق کے دونوں حضرات میں عجب محبت وخصوصیت تھی، کوئی کام دینی ودنیوی مولانا مرحوم بغیر مشورہ حضور اقدس قدس سرہ کے نہ فرماتے۔"

شاید یہاں یہ ذکر بھی بے محل نہ ہو کہ تاج الفحول مولانا عبدالقادر اور حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی میں بھی خصوصی تعلقات تھے۔ ان دونوں حضرات کے متحدہ محاذ نے تحریک ندوہ کو سخت مشکلات پیدا کیں۔ مولانا علامہ شاہ احمد رضا خاں بریلوی بعض علمی معاملات میں حضرت تاج الفحول سے مشورہ بھی فرماتے تھے اور اس سلسلے میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کا بدایوں میں کئی کئی روز قیام رہتا تھا؛ جس علمی مسئلے میں مشورہ مقصود ہوتا تھا اس کے متعلق فاضل بریلوی پہلے سے حضرت مولانا تاج الفحول کو لکھ دیتے تھے۔ حضرت تاج الفحول اس مسئلے سے متعلق تیاری فرمالیتے اور حوالہ جات کی کتب فراہم رکھتے تھے۔ حضرت فاضل بریلوی نے قصیدۂ چراغِ انس میں حضرت تاج الفحول مولانا عبدالقادر بدایونی کو جو خراجِ عقیدت ومحبت پیش کیا ہے اس میں سے چند اشعار درج ذیل ہیں:

اے امام الہدیٰ محبِّ رسول
دین کے مقتدیٰ محبِّ رسول
نائب مصطفٰے محبِّ رسول
صاحب اِصطفا محبِّ رسول
زبدۃ الاتقیاء محبِّ رسول
عمدۃ الاذکیاء محبِّ رسول
آج قائم ہے دم قدم سے ترے
دین حق کی بنا محبِّ رسول
نہ تو مجھ سے جدا نہ میں تجھ سے جدا
میں ترا تو مرا محبِّ رسول
غلطی کی ترا مرا کہا
تو من و من تو یا محبِّ رسول

یہ بھی تیرے کرم سے ہے ورنہ
من کجاؤ تو کجا محبِّ رسول
میں کہاں اور کہاں تعالی اللہ
تیری مدح وثنا محبِّ رسول
تیری نعمت کا شکر کیا کیجے
تجھ سے کیا کیا ملا محبِّ رسول
اور تو اور شیخ تجھ سے ملا
اس سے بڑھ کر ہے کیا محبِّ رسول
اس کے درتک رسائی تجھ سے ملی
تو ہوا رہنما محبِّ رسول
مجھ پہ واجب ہے تیرا شکر نعم
مجھ پہ لازم دعا محبِّ رسول
خُلا میں زیرِ ظلّ غوثِ کریم
رہیں یکجا رضا محبِّ رسول

۱۳۱۹ھ میں تاج الفحول مولانا شاہ عبدالقادر بدایونی کا وصال ہوا؛ ان کے بعد فرزند سعید مطیع الرسول مولانا شاہ عبدالمقتدر مسند نشینِ درگاہ قادریہ ہوئے۔ حضرت تاج الفحول نے ماہ جمادی الثانی ۱۳۱۹ھ میں علماءِ کرام اور مشائخ عظام کی موجودگی میں رسم سجادہ نشینی ادا کی۔ حضرت شاہ ابوالحسین نوری میاں نے خرقہ پہنایا اور خود سب سے پیشتر نذر سے سرفراز فرمایا۔ مولوی سدید الدین شائق فرماتے ہیں:

درۃ التاج سعادت شاہ عبدالمقتدر
زینت سجادہ ہوا وہ گوہر یکدانہ آج
اچھے اچھوں نے پہنایا ہے فقیرانہ لباس
کیا رفیع المرتبت ہے صولت شاہانہ آج
ہے ید الٰہی ضیاء آل رسول ہے جھلک
آل احمد نے دیا ہے خلعت شاہانہ آج
بوالحسین ہاتھ سے رنگت دو بالا ہوگئی
احمد نوری سے ہے پرنور یہ کاشانہ آج
آل احمد شاہ حمزہ حضرت آل رسول
خود بدولت دے رہے ہیں ہاتھ سے نذرانہ آج

عین حق اور مظہر حق حضرت فضل رسول
سب کا مظہر ہوگئی یہ صورت جانانہ آج

حضرت مطیع الرسول مولانا شاہ عبدالمقتدر سلف کی یادگار تھے۔ ان کے زمانے میں فیوض وبرکات کا خوب اجرا ہوا۔ درس و تدریس اور تبلیغ وارشاد کا خوب ہنگامہ برپا رہا۔ ساکنانِ مارہرہ سے مولوی سید ارتضا حسین، مولوی سید محمد عالم، مولوی حبیب الٰہی اور مولانا محمد میاں صاحب ان کے تلامذہ میں سے تھے۔ ۲۵ محرم ۱۳۳۴ھ کو حضرت مطیع الرسول علیہ الرحمۃ کا وصال ہوا۔ ان کے بعد سیدی ومولائی ابی وآقائی عاشق الرسول مولانا شاہ عبدالقدیر مسند نشین آستانہ عالیہ ہوئے۔ حضرت عاشق الرسول قدس سرہٗ نے علوم متداولہ کی تحصیل حضرت مطیع الرسول سے پائی۔ کچھ مدت خاتم الاکابر مولانا برکات احمد ٹونکی اور مولانا عبدالعزیز رامپوری (تلامذۂ مولانا عبدالحق خیر آبادی) کی خدمت میں بھی تحصیل علم فرمائی۔ ۱۷/ جمادی الاوّل ۱۳۳۰ھ کو حضرتِ اقدس مطیع الرسول مولانا عبد المقتدر قدس سرہٗ نے اجازت وخلافت سے سرفراز فرمایا۔ حضرت مولانا شاہ اسمٰعیل حسن صاحب مارہروی نے خلافت نامہ پڑھ کر مجمع میں سنایا۔ حضرت مطیع الرسول قدس سرہٗ کے وصال کے بعد جب رسمِ سجادہ نشینی عمل میں آئی تو سب سے پہلے مولانا عبدالماجد بدایونی مرحوم اور مولانا سلیمان اشرف بہاری نے نذرِ سجادگی پیش کی۔

حضرت عاشق الرسول مولانا شاہ عبدالقدیر جب حیدرآباد دکن میں مفتیِ اعظم کے عہدے پر فائز ہوئے اور وہاں دینی خدمات انجام دیتے رہے۔ ممالکِ اسلامیہ خصوصاً بلادِ عرب وعراق کی زیارات کیں۔ بغداد مقدس کی حاضری کبھی ناغہ نہیں ہوئی۔ انضمام ریاست حیدرآباد کے بعد پنشن ملتی رہی۔ ۳۱/ مارچ ۱۹۶۰ء بروز پنجشنبہ آپ کا وصال ہوا۔ درگاہِ قادریہ میں دفن ہوئے۔ اب عزیزِ محترم مولانا شاہ حافظ عبدالحمید سالم میاں صاحب مدظلہ العالی مسند نشینِ سجادۂ عالیہ قادریہ بدایوں ہیں۔ متعنااللہ بطول حیاتہٖ۔

مارہرہ اور بدایوں کے تعلّقات کا ایک ہلکا سا نقشہ پیش کیا گیا ہے۔ زمانے کے انقلاب اور حالاتِ زمانہ نے ہر شعبۂ حیات میں ایسی افراتفری اور بدنظمی پیدا کردی ہے کہ سارے معاملات درہم برہم ہو کر رہ گئے ہیں۔ کتب خانے برباد ہوگئے؛ بزرگوں کی تصانیف اور

علمی ذخائر ہندوستان میں رہ گئے۔ خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو اپنے اکابر واسلاف کی تصانیف کو شائع وطبع کرتے رہتے ہیں۔ مکرمی ومحترمی مولوی محمد ایوب قادری۔ ایم۔اے لیکچرار اردو کالج کراچی نے اس سلسلے میں کئی مقالے اور کتابیں شائع کی ہیں۔ ان ہی کی کوشش سے حضرت شاہ ابوالحسین نوری میاں کے حالات کا یہ رسالہ شائع ہو رہا ہے جو مخدومی مولوی غلام شبر بدایونی مرحوم کی تصنیف ہے۔ مولوی غلام شبّر بدایونی حضرت شاہ ابوالحسین نوری میاں کے خاص مریدوں میں سے ہیں۔ انہوں نے یہ حالات بہت محنت، محبت اور عقیدت سے لکھے ہیں۔ مولوی محمد ایوب قادری صاحب کے پاس اس گراں قدر تصنیف کا خطی نسخہ تھا، جس کو وہ شائع کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق دے کہ ہم سب اس کتاب سے مستفید ہوں۔

حاشیہ

۱۔ حضور پرنور اعلیٰ حضرت عظیم البرکت رضی اللہ عنہ اور آپ کے والدِ ماجد حضرت مولانا نقی علی مارہرہ شریف میں حضور پرنور سید شاہ آلِ رسول احمدی رضی اللہ عنہ کے دستِ حق پرست پر ۱۲۹۴ھ میں سلسلۂ قادریہ عالیہ برکاتیہ میں بیعت ہوئے؛ اسی وقت مرشد برحق مولانا سید آلِ رسول نے آپ کو اور آپ کے والدِ ماجد کو خلافت نامہ عطا فرما کر خرقۂ مقدسہ سے بھی سرفراز فرمایا۔ حضرت مولانا سید ابوالحسین نوری میاں صاحب نے حضرت سے عرض کی کہ حضور آپ کے یہاں تو طویل عرصہ بامشقت مجاہدات وریاضت کے بعد خلافت واجازت دی جاتی ہے تو پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ ان دونوں حضرات کو بیعت کرتے ہی خلافت بھی دے دی گئی؟ حضرت مرشد برحق نے فرمایا میاں صاحب اور لوگ زنگ آلود میلا کچیلا دل لے کر آتے ہیں اس کی صفائی اور پاکیزگی کے لیے مجاہداتِ طویلہ ریاضاتِ شاقہ کی ضرورت پڑتی ہے اور یہ دونوں حضرات صاف ستھرا پاکیزہ دل لے کر ہمارے پاس آئے، ان کو صرف اتصالِ نسبت کی ضرورت تھی اور وہ مرید ہوتے ہی حاصل ہو گئی۔ پھر مزید آپ نے فرمایا کہ مجھے اس بات کی بہت بڑی فکر رہتی تھی کہ جب قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے آلِ رسول تو میرے لیے کیا لایا ہے تو میں بارگاہِ الٰہی میں کونسی چیز پیش کروں گا، لیکن آج وہ فکر میرے دل سے دور ہو گئی کیونکہ جب اللہ تعالیٰ پوچھے گا کہ اے آلِ رسول تو میرے لیے کیا لایا تو میں عرض کروں گا کہ الٰہی تیرے لیے احمد رضا لایا ہوں۔

اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ نے پہلی بار ۱۲۹۵ھ میں اپنے والدین کریمین کے ہمراہ فریضہ حج ادا فرمایا۔ ایک دن آپ نے مقام ابراہیم میں نماز پڑھی۔ امام شافعیہ حضرت حسین بن صالح جمل اللیل نے جب آپ کا چہرہ دیکھا تو بغیر کسی جان پہچان کے آپ کا ہاتھ پکڑا اور اپنے دولت خانہ پر لائے اور بہت دیر تک آپ کی پیشانی مقدس پر نگاہ جمائے رہے پھر انہوں نے فرمایا: اِنِّیْ لَاَجِدُ نُوْرَ اللهِ فِیْ هٰذَا الْجَبِیْنِ (بیشک میں اس پیشانی میں اللہ کا نور دیکھ رہا ہوں) بعدہٗ صحاحِ ستّہ اور سلسلۂ عالیہ قادریہ کی اجازت اپنے مبارک ہاتھوں سے لکھ کر آپ کو عطا فرمائی اور ارشاد فرمایا: اِسْمُكَ ضِيَاءُ الدِّيْنِ اَحْمَد (تمہارا نام ضیاء الدین احمد ہے) پھر اعلیٰ حضرت عظیم البرکت رضی اللہ عنہ نے فریضۂ حج ادا کرنے کے بعد حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ بیکس پناہ میں حاضری دی اور بارگاہِ رسالت سے ہزاروں نعمتوں اور برکتوں سے نوازے گئے اور دوسری مرتبہ جب آپ نے حج کیا تو مکہ شریف کے تمام علمانے آپ کا کمالِ عقیدت کے ساتھ اعزاز کیا اور آپ سے احادیثِ مبارکہ کی اسناد حاصل کیں اور خلافتیں بھی حاصل کیں۔ اسی طرح مدینۂ طیّبہ کی حاضری سے پہلے ہی آپ کے علم وفضل کا شہرہ اور سچے عاشق ہونے کا چرچا پہنچ چکا تھا؛ مکہ شریف میں اعلیٰ حضرت حاضریِ مدینۂ طیبہ کے لیے بیتاب تھے، لیکن آپ کی علالتِ شدید سفر کے لیے مانع تھی اور یہاں علماءِ مدینۂ طیبہ اس عاشقِ رسول نائبِ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات وزیارت کے لیے بے قرار ہو کر سختی سے انتظار فرما رہے تھے۔ شیخ الدلائل حضرت مولانا شاہ عبدالحق مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے مخلص شاگرد حضرت مولانا کریم اللہ مہاجر مدنی علیہ الرحمہ کا بیان ہے کہ ہم سالہاسال سے مدینۂ طیبہ میں مقیم ہیں؛ اطراف وآفاق سے علما آتے ہیں اور جوتیاں چٹخاتے چلے جاتے ہیں کوئی بات نہیں پوچھتا، لیکن اعلیٰ حضرت کے پہنچنے سے پہلے ہی علماء تو علما، اہلِ بازار تک آپ کی زیارت وملاقات کے مشتاق تھے؛ چنانچہ جب مدینۂ طیبہ میں آپ کی حاضری ہوئی اور آمد کی خبر ہر طرف پھیلی تو صبح سے عشا تک آپ کے پاس علماءِ مدینہ کا ہجوم رہتا تھا؛ ملاقات وزیارت کرنے والوں کی بھیڑ بارہ بجے رات سے پہلے ہٹنے کا نام نہ لیتی تھی۔ یہاں تک کہ اگر کسی کو تنہائی میں اعلیٰ حضرت سے ملنا ہوتا تو وہ آدھی رات کے بعد ہی مل سکتا تھا۔ آپ کے ساتھ خلوص وعقیدت میں مدینۂ طیبہ کے حضرات کرام نے باشندگانِ مکۂ معظمہ سے زیادہ حصّہ لیا اور آپ نے کثیر علماءِ کرام کو سندیں اور اجازتیں اور خلافتیں دیں۔

تحریکِ مسعودی اور بین الاقوامی محققینِ رضا

پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ O صِرَاطَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ" (سُوۡرَۃُ الۡفَاتِحَة، آیت ۵۔۶) "ہم کو سیدھا راستہ چلا راستہ ان کا جن پر تونے احسان کیا۔" (کنزالایمان)

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد نقشبندی مظہری دہلوی علیہ الرحمہ نے زندگی کے ابتدائی سفر ہی میں اپنے گھر کے بزرگوں (حضرت مسعود احمد نقشبندی، حضرت مفتی اعظم مفتی مظہر اللہ دہلوی، حضرت مفتی محمد محمود الوری) سمیت تاریخ اسلام کی دو انتہائی عظیم شخصیتوں کا دامن مضبوطی سے تھام لیا تھا۔ یعنی حضرت الشیخ احمد سرہندی المعروف بہ امام ربانی مجدّدِ الفِ ثانی علیہ الرحمہ اور امامِ اہلِ سنّت مجدّدِ دین وملّت الشیخ محمد احمد رضا خاں قادری برکاتی محدث بریلوی المعروف بہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ، جن پر اللہ عزوجل کے آج بھی احسانات اور انعامات یہ ہیں کہ لاکھوں لوگ ان حضرات کو آج بھی روزانہ یاد کرتے ہیں اور لاکھوں لوگ ان کی پیروی کرتے ہیں۔ ان حضرات پر بے شک اللہ عزوجل کے بے حد انعامات ہیں مگر قبلہ ڈاکٹر صاحب نے ان دو حضرات پر نہ صرف خود تحقیقی کام کرکے ان کے مشن کو آگے بڑھایا ہے بلکہ ساتھ ہی ان دونوں شخصیات پر ہزاروں لوگوں کو تحقیق کی جستجو کرا کر ان حضرات پر بھی اللہ تعالیٰ کی انعام واکرام کی بارش کے سلسلے کو جاری کرادیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ڈاکٹر صاحب پر بھی تاقیامت اپنے انعامات کے سلسلے کو جاری اور ساری رکھے اور ڈاکٹر صاحب کی قبر پر اپنے اور اپنے حبیب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کی نور کی بارش کو جاری وساری رکھے آمین۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد علیہ الرحمہ نے امام احمد رضا پر مسلسل ۳۵ سال تحقیق کی اور اس دوران ۱۰۰ سے زیادہ مقالات اور کتابیں امام احمد رضا کے حوالے سے تحریر کیں اور ایک صد سے زیادہ محققین امام احمد رضا کے حوالے سے تیار کیے، جنھوں نے ڈاکٹر صاحب کے مشن کی تکمیل میں اپنا اہم کردار ادا کیا۔ ان محققین میں چند ایسے بھی ہیں جو بین الاقوامی معیار کے محققین ہیں اور ڈاکٹر صاحب کی کوششوں اور کاوشوں سے ان محققین نے امام احمد رضا کے مختلف علمی گوشوں پر تحقیقی کام کرکے عالمی شہرت حاصل کی۔ یہاں ان چند محققین کا اوراُن کی کاوشوں کا ذکر کرنا مقصود ہے جو انھوں نے قبلہ ڈاکٹر صاحب کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے قلم بند کیں۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد جن کی تحریر کا دورانیہ ۱۹۵۴ء–۲۰۰۸ء رہا اور امام احمد رضا پر ان کی تحریر کا دورانیہ ۱۹۷۰ء تا ۲۰۰۸ء رہا یعنی ۳۸ سال تک آپ امام احمد رضا کے علمی گوشوں پر نہ صرف تحقیق کرتے رہے بلکہ ملکی اور بین الاقوامی اسکالرز حضرات کو تحقیق کی دعوت دیتے رہے۔ آپ جو ۱۹۵۴ء سے قلم سنبھالے ہوئے تھے امام احمد رضا کی طرف اپنے قلم کے راغب ہونے کے سلسلے میں اپنے دو کرم فرماؤں کا حوالہ دیتے ہوئے رقمطراز ہیں: "مارچ ۱۹۷۰ء میں کوئٹہ کے زمانے میں قیام کے دوران (صدر مرکزی مجلس رضا لاہور) کا ایک گشتی مراسلہ ملا جس میں تحریر تھا کہ اراکین مجلس رضا کی نگرانی میں ایک مجموعۂ مقالات بعنوان "انوار رضا" شائع ہورہا ہے، جس میں فاضل بریلوی پر مشاہیر علماوفضلا کے مضامین شائع ہوں گے۔ اسی لیے فاضل بریلوی کے کسی ایک پہلو پر مقالہ قلم بند کیا جائے۔ کچھ عرصے پہلے جناب اختر شاہ جہاں پوری نے بھی ایک مقالہ لکھنے کی فرمائش کی تو عدیم الفرصتی کی وجہ سے راقم نے معذرت پیش کردی، مگر اختر صاحب نے مئی ۱۹۷۰ء میں پھر تقاضا کیا چنانچہ ان دو حضرات (اختر شاہ جہاں پوری اور محمد عارف ضیائی) کی محبت اور اخلاص اور فاضل بریلوی سے راقم کے تعلق خاطر نے مجبور کردیا کہ کچھ نہ کچھ لکھا جائے۔" (پیش لفظ فاضل بریلوی اور ترکِ موالات، از ڈاکٹر محمد مسعود احمد)

امام احمد رضا پر تحریری کام کی ابتدا کے سلسلے میں ڈاکٹر صاحب ایک اور مقام پر یوں رقمطراز ہیں: "محسن اہلِ سنّت محترم حکیم محمد موسیٰ امرتسری اور علامہ محمد اختر شاہ جہاں پوری مظہری کی تحریک پر ۱۹۷۰ء میں راقم نے امام احمد رضا پر کام کا آغاز کیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب

جامعات اور تحقیقی اداروں میں محققین اور دانشور امام احمد رضا کے علمی مقام سے واقف ہی نہ تھے، بلکہ ان اداروں میں تو امام احمد رضا کا ذکر و فکر معیوب سمجھا جاتا تھا اور خود راقم بھی حقائق سے باخبر نہ تھا؛ لیکن جب ۱۹۷۰ء میں امام احمد رضا کے حالات اور علمی خدمات پر تحقیق شروع کی تو یوں محسوس ہوا کہ جیسے راقم ایک عظیم الشان خزانے تک پہنچ گیا ہو جو نہ معلوم کب زیرِ زمین دفن کر دیا گیا تھا۔ (حرف آغاز ''گویا کہ دبستان کھل گیا'' از ڈاکٹر محمد مسعود احمد)

اب ملاحظہ کیجیے پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد دہلوی علیہ الرحمہ کا مکتوبات کے ذریعے دنیا کے مختلف خطوں میں رہنے والے اہلِ قلم کے ساتھ تعلق اور ان کو امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ کی طرف راغب کرنے کی کوشش جس کے نتیجے میں متعدد اہلِ قلم جو پہلے امام احمد رضا کی حقیقی تعلیمات سے آگاہ نہ تھے ڈاکٹر صاحب کی کوششوں سے نہ وہ صرف متاثر ہوئے بلکہ ان میں سے اکثر نے ڈاکٹر صاحب کی تحریر اور تحریک پر لبیک کہتے ہوئے ڈاکٹر صاحب کے مشن کو آگے بڑھانے میں ان کی مدد بھی کی۔ یہاں ان چند اہلِ قلم کا ذکر کر رہا ہوں جن میں سے بیشتر سے ڈاکٹر صاحب کی صرف قلمی ملاقات ہے مگر وہ سب کے سب ڈاکٹر صاحب کی تحقیق اور جستجو کے ایسے دلدادہ ہوئے کہ ان میں سے اکثر اہلِ قلم نے امام احمد رضا کی مختلف علمی جہتوں پر سیر حاصل تحریر لکھ کر امام احمد رضا کی تعلیمات کو عام کرنے میں ایک اہم کردار ادا کیا۔

(۱) ڈاکٹر صاحب نے کلیان، بھارت کے اسکالر آصف علی بھورے صاحب کو ایک مکتوب میں سید محمد عارف رضوی کو امام احمد رضا پر ڈاکٹریٹ کا مقالہ لکھنے پر دعا دیتے ہوئے لکھا: ''امید ہے کہ برادرم سید محمد عارف رضوی اپنی تحقیق میں مصروف ہوں گے۔ جو فاضل اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ پر تحقیق کرتا ہے تائید الٰہی اس کے شاملِ حال رہتی ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ وہ اس مہم کو سر کر لیں گے اور واقعی بمبئی یونیورسٹی سے اس موضوع پر ڈاکٹریٹ عارف صاحب کا ایک کارنامہ ہوگا۔'' (مکتوبات مسعودی، مرتبہ عبد الستار طاہر، ص ۲۳، ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراچی، ۲۰۰۵ء)

(۲) پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد علیہ الرحمہ نے بیجنگ یونیورسٹی، چین میں قائم شعبہ اردو کے پروفیسر ڈاکٹر آفتاب صاحب کو ایک مکتوب (محررہ ۲۲، جولائی ۱۹۹۵ء) میں امام احمد رضا پر پی ایچ ڈی کے مقالات کا ذکر کرنے کے بعد ان کو بھی اس بات کی دعوت دی کہ اگر کوئی فاضل وہاں پر امام احمد رضا پر پی ایچ ڈی کرنا چاہے تو اس کی یہاں سے مکمل مدد کی جاسکتی ہے۔ چنانچہ رقمطراز ہیں: ''شاید آپ کے علم میں ہو مولوی احمد رضا خاں بریلوی پر کولمبیا یونیورسٹی، پٹنہ یونیورسٹی اور دوہیل کھنڈ یونیورسٹی سے پانچ اسکالرز پی ایچ ڈی کر چکے ہیں اور متعدد یونیورسٹیوں میں ڈاکٹریٹ اور ایم فل کر رہے ہیں۔ اگر بیجنگ یونیورسٹی میں کوئی فاضل تحقیق کرنا چاہے تو اس کی مدد کی جاسکتی ہے۔ مولوی احمد رضا پر کافی لٹریچر شائع ہو چکا ہے اور بہت سے مخطوطات منظرِ عام پر آچکے ہیں۔'' (مکتوباتِ مسعودی، ص ۲۳)

(۳) ڈاکٹر محمد مسعود احمد علیہ الرحمہ امام احمد رضا پر معلومات کا کوئی ذریعہ ضائع نہیں ہونے دیتے تھے اس لیے کہ وہ جانتے تھے کہ جتنی زیادہ معلومات امام احمد رضا کے متعلق مل جائیں، محققین کے لیے وہ بہت اہم ہوں گی۔ چنانچہ ۱۹۹۵ء میں آپ نے ایک خاتون اسکالر مسز رضیہ خاں کو لندن میں خط لکھا کہ آپ اپنی والدہ سے وہ تمام یادداشتیں سن کر قلم بند کر لیں جو انھوں نے اعلیٰ حضرت کے بارے میں سن رکھی ہیں؛ چنانچہ آپ مکتوب میں تحریر کرتے ہیں: ''اعلیٰ حضرت کے بارے میں آپ کی والدہ جو کچھ بیان کرتی ہیں وہ ریکارڈ کر لیں ان کے وصال کے وقت وہ تقریباً ۱۴ سال کی ہوں گی۔ معلومات کا یہ اہم ذریعہ ہے اس طرف ضرور توجہ دیں۔'' (مکتوباتِ مسعودی، ص ۱۳۲)

(۴) ۱۹۹۱ء میں جب آپ سکھر میں پوسٹ گریجویٹ کالج کے پرنسپل تھے لاہور میں ایک خاتون اسکالر رضیہ عبد الحق غوری کو خط لکھا جس میں آپ نے ان کی کاوش کو سراہتے ہوئے ان کے موضوع سے متعلق کافی معلومات فراہم کیں۔ خط کا اقتباس ملاحظہ کیجیے: ''یہ پڑھ کر مسرت ہوئی کہ آپ امام احمد رضا پر ڈاکٹریٹ کرنا چاہتی ہیں۔ امام احمد رضا کی عربی ادب میں خدمات کے موضوع پر پروفیسر حافظ قاری محمد رفیق پنجاب یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کر رہے ہیں۔ ان سے پہلے پروفیسر محمود حسین بریلوی نے ''امام احمد رضا کے عربی آثار'' پر علی گڑھ یونیورسٹی سے ایم فل کیا ہے اور پروفیسر محمد سمیع الدین بھی عثمانیہ یونیورسٹی حیدر آباد دکن سے ایم فل کر رہے ہیں۔ ان کا موضوع ہے: ''امام احمد رضا کی عربی شاعری'' اگر آپ حاشیہ فواتح الرحموت

شرح مسلم الثبوت" پر کام کریں تو زیادہ مناسب ہے۔ یہ حاشیہ امام احمد رضا کا خود نوشتہ ہے۔ اس کا عکس ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا کے کتب خانے میں محفوظ ہے۔" (مکتوباتِ مسعودی، ص ۱۳۱)

(۵) پروفیسر ڈاکٹر محمد احمد دہلوی علیہ الرحمہ کا ڈاکٹر سراج احمد قادری بستوی سے ۱۹۸۶ء سے رابطہ رہا۔ ڈاکٹر سراج صاحب نے کانپور یونیورسٹی سے امام احمد رضا پر بعنوان "مولانا احمد رضا خاں بریلوی کی نعتیہ شاعری" کے عنوان پر کانپور یونیورسٹی انڈیا سے ۱۹۵۵ء میں پروفیسر سید ابوالحسنات حنفی کی سرپرستی میں پی ایچ ڈی کا مقالہ لکھ کر سند حاصل کی تھی؛ مگر ان کے اس تحقیق کے پیچھے ڈاکٹر صاحب کی کوششیں اور کاوشیں شامل تھیں، جس کا اندازہ آپ مندرجہ ذیل مکتوبات کے اقتباسات سے کرسکتے ہیں۔

۱۹۹۶ء میں اپنے ایک مکتوب میں آپ نے مولانا سراج احمد بستوی کو امام احمد رضا پر پی ایچ ڈی کی تحقیق کرنے کے لیے ترغیب دی۔ چنانچہ اپنے مکتوب میں تحریر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: "اعلیٰ حضرت کی شاعری پر ضرور تحقیق کریں۔ پاکستان میں کافی لکھا جاچکا ہے مگر "حدائق بخشش" کی مفصل اور مدلّل شرح اب تک نہیں لکھی گئی۔ احقر نے بھی بعض علما کو اس طرف متوجہ کیا ہے۔ عام ادیب و دانشور یہ شرح نہیں لکھ سکتا۔ اس کے لیے وسیع علم اور عشق و محبت کی ضرورت ہے۔ اعلیٰ حضرت پر بین الاقوامی سطح پر کام ہو رہا ہے۔ ہالینڈ، امریکہ، افریقہ، انگلستان کی جامعات میں بعض محققین کام کر رہے ہیں اور احقر کا ان سے رابطہ ہے۔"

مولانا سراج احمد کے جب کانپور یونیورسٹی میں پی ایچ ڈی کے مقالے کی منظوری ہوگئی تو ڈاکٹر صاحب نے ان کو ایک مکتوب میں خوشی کا اظہار کرتے ہوئے اپنے مکتوب محررہ ۱۶ / اپریل ۱۹۹۰ء میں لکھا: "یہ پڑھ کر خوشی ہوئی کہ کانپور یونیورسٹی سے آپ کو تحقیق کے لیے عنوان مل گیا ہے؛ غالباً آپ اب ڈاکٹریٹ کر رہے ہیں۔ آپ گھبرائیں نہیں ان شاءاللہ مواد فراہم ہوتا رہے گا۔ برادرم ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم صاحب تشریف لارہے ہیں وہ ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا سے کافی مآخذ کے عکس بنوا کر لے جاسکتے ہیں۔ آج ان کو بھی لکھ رہا ہوں۔ شمس بریلوی، احسان دانش، شاعر لکھنوئی، اختر الحامدی وغیرہ کے مقالات آپ کے لیے بہت مفید ہوں گے۔ فقیر کی کتاب "حیاتِ مولانا احمد رضا خاں بریلوی" اور دوسرے مقالات مطالعہ فرمالیں۔ "المیزان" بمبئی کا "امام احمد رضا نمبر" ضرور مطالعہ کریں۔ ماہنامہ "قاری" دہلی نے بھی اضافوں کے ساتھ یہی "میزان نمبر" شائع کیا ہے۔" (مکتوبات مسعودی، ص ۱۵۲)

تعاون در تعاون کی مثال ملاحظہ کیجیے کہ ایک طرف پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد علیہ الرحمہ، مولانا سراج صاحب کے ساتھ تعاون فرماتے ہوئے ان کے پی ایچ ڈی کے مقالے کے لیے تمام تر مواد فراہم کر رہے ہیں اور دوسری طرف اسی محقق کو اور دوسرے محققین کی مدد کے لیے بھی حکم فرمارہے ہیں۔ چنانچہ ایک اور مکتوب میں مولانا سراج کو ایک دوسرے محقق کی مدد کے لیے تعاون کا حکم ارشاد کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: "ایک فاضل غلام مصطفیٰ انجم القادری نے کرناٹک سے خط بھیجا ہے وہ میسور یونیورسٹی سے "امام احمد رضا کا تصوّرِ عشق" پر ڈاکٹریٹ کرنا چاہتے ہیں۔ اگر ان کا عنوان منظور ہوگیا تو آپ ضرور تعاون فرمائیں۔" آگے مزید لکھتے ہیں: "امام احمد رضا کی فارسی شاعری پر ضرور تحقیق کریں۔ یہ پہلو ابھی تک تشنہ ہے۔ ان شاءاللہ جب کام کا آغاز فرمائیں گے نشان دہی کردی جائے گی۔" (مکتوبات مسعودی، ص ۱۵۳)

(۶) پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد دہلوی علیہ الرحمہ اکثر اپنے قلمی احباب کو خطوط لکھتے وقت بہت ساری معلومات فراہم کردیتے۔ ان کے اس وصف نے تاریخ میں بہت کچھ محفوظ کرلیا۔ اگرچہ آپ ادارے کے سرپرست اعلیٰ رہے اور فقیر بھی ان کی سرپرستی میں ادارے میں کارکن کی حیثیت سے خدمت انجام دیتا رہا۔ ادارے کے دیگر افراد بھی ادارے میں دل چسپی لیتے تھے، مگر جتنا تعلق ڈاکٹر صاحب کا دنیا بھر کے قلم کاروں کے ساتھ تھا اتنا رابطہ کسی کا بھی نہ تھا اور ڈاکٹر صاحب کو جتنی معلومات ہوا کرتی تھیں اور وہ امام احمد رضا کی تحقیق سے جتنا اَپ ڈیٹ رہتے تھے اور لوگوں کو بالخصوص اہل قلم حضرات اور محققین کو اَپ ڈیٹ رکھتے تھے اتنا کوئی بھی دوسرا شخص نہ خود اَپ ڈیٹ رہتا نہ وہ دوسروں کو تازہ معلومات فراہم کرپاتا۔ یہ کمی اب ادارے میں شدت سے محسوس کی جاتی ہے اگرچہ اب زمانہ انٹرنیٹ کا ہے اور اب کوئی زیادہ مشکل بھی نہیں مگر ڈاکٹر صاحب نے بغیر انٹرنیٹ فیسیلٹی کے امام احمد رضا پر تحقیق کے سلسلے میں اپنے

زمانے کے تمام اہلِ قلم کو ہمیشہ تازہ بہ تازہ معلومات سے آگاہ کیا۔ ادارے میں اب یہ ذمّے داری کسی حد تک ادارے کے جوائنٹ سیکریٹری اور معاون مدیر "معارفِ رضا" محترم جناب پروفیسر دلاور خاں انجام دے رہے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو استقامت کے ساتھ اس اہم کام کی طرف مائل رکھے! آمین۔

ڈاکٹر صاحب کے مکتوبات کے ذریعے لوگوں کو ایک دوسرے کی تحقیق کسی طرح پہنچتی تھیں، یہ معلومات ڈاکٹر صاحب کے ان خطوط کے اقتباسات کے ذریعے حاصل ہو رہی ہیں جو انہوں نے اپنے ایک کرم فرما محترم سرتاج حسین رضوی ایڈووکیٹ کو لکھے جو روھیل کھنڈ یونیورسٹی بریلی سے تعلق رکھتے تھے ان کے ساتھ خط و کتابت کے دوران جو معلومات سامنے آئیں وہ چند مکتوبات مسعودی کے اقتباسات میں ملاحظہ کریں: "غالباً یہ خبر آپ کو دے چکا ہوں پروفیسر مجید اللہ قادری نے کراچی یونیورسٹی سے "کنزالایمان" پر ڈاکٹریٹ کرلیا ہے۔ یہ کام فقیر کی نگرانی میں ہوا۔ ایک اور دوست پروفیسر حافظ محمد عبدالباری صدیقی نے سندھ یونیورسٹی سے سندھی میں امام احمد رضا کے حالات وافکار پر ڈاکٹریٹ کرلیا ہے۔" (مکتوب محررہ ۱۰/اکتوبر ۱۹۹۳)

ایک اور مکتوب محررہ ۲۸ دسمبر ۱۹۹۳ء میں رقمطراز ہیں: "فقیر "حدائق بخشش" کا انتخاب مرتب کر رہا ہے۔ اس کو بہترین انداز میں چھپوا کر عالمی سطح پر پھیلانے کا ارادہ ہے۔ کتابت شروع کرادی ہے۔ ایک کرم فرما اس کی طباعت واشاعت کے لیے تیار ہوگئے ہیں۔ ڈاکٹر امین مارہروی نے فرمایا تھا کہ ان کے کتب خانے میں امام احمد رضا کی خود نوشت "حدائق بخشش" کا ایک نادر نسخہ ہے۔ فقیر کو ایک دو نعتوں کا عکس چاہیے۔ حضرت حسن میاں مدظلہ العالی کو خط لکھا تو جواب نہ آیا۔ اگر آپ کسی معتمد کو بھیج کر یہ عکس منگوادیں تو بعید از کرم نہ ہوگا۔ بریلی شریف میں کسی کے پاس یہ نوادرات ہوں تو حاصل کر کے بھیج دیں۔ کہیں پڑھا تھا کہ کچھ اردو کلام ایسا بھی ہے جو "حدائق بخشش" میں شامل نہ ہوسکا۔ برادرم پروفیسر محمود حسین بریلوی صاحب سے دریافت فرمائیں۔ ایسا کلام دستیاب ہو تو وہ بھی بھیج دیں۔ آپ کے تعاون کی ضرورت ہے اور جلد۔

آگے چل کر مزید معلومات فراہم کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: "مفتی محمد خاں قادری لاہور نے "سلام رضا" کی مبسوط شرح لکھی ہے جو لاہور سے شائع ہوچکی ہے۔ علامہ فیض احمد اویسی بھی شرح لکھ رہے ہیں۔ پہلا حصّہ پریس میں جاچکا ہے؛ علامہ موصوف بہاولپور میں ہیں۔ ایک اور عالم مولانا اوّل صاحب نے بھی "حدائقِ بخشش" کی شرح لکھی ہے۔" (مکتوب محررہ، ۲۵ دسمبر ۱۹۹۳ء)

ایک اور مکتوب بنام سرتاج حسین رضوی بریلوی کو لکھتے ہوئے رقمطراز ہیں: "اگر پروفیسر وسیم بریلوی صاحب ہندوستان یا دنیا کے سخن وروں کے پتے عنایت فرمائیں تو عنایت ہوگی۔ انھوں نے امام احمد رضا کی شاعری پر اپنے تاثرات بھیجے ہیں، ان کے تاثرات میں بڑی گہرائی اور پہنائی ہے۔ ان کو فقیر کا سلام کہہ دیں۔"

محترم سرتاج حسین ایڈووکیٹ کو پی ایچ ڈی کی ترغیب دیتے ہوئے رقمطراز ہیں: "مرکنٹائل لامیں امام احمد رضا کی خدمات پر ضرور پی ایچ ڈی کریں۔ ان شاءاللہ فقیر ماہرین سے مشورے کے بعد کچھ عرض کرسکے گا۔ جدہ میں ڈاکٹر محمد عمر چھاپرا ہیں۔ کل ہی ان کے ایک دوست سے ان کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہ اس فن کے ماہر ہیں، سنّی ہیں اور شاہ فہد کے مشیر بھی ہیں خدا کرے ان سے رابطہ ہو جائے! کوشش کروں گا۔"

آگے چل کر مزید امام احمد رضا کے حوالے سے محققین کی کاوشوں کا ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: "ہندوستان میں چند فضلا مگدھ یونیورسٹی اور میسور یونیورسٹی سے امام احمد رضا پر ڈاکٹریٹ کرنا چاہتے ہیں۔ مولانا غلام مصطفیٰ کا میسور یونیورسٹی سے رجسٹریشن ہوچکا ہے۔ کافی مزاحمت ہوئی، مگر مولیٰ تعالیٰ نے کرم فرمایا۔ فقیر نے ان کو خاکہ بنا کر بھیج دیا تھا۔ ان کا عنوان ہے "امام احمد رضا کا تصوّرِ عشق"۔ بہت اچھا اور دلنواز موضوع ہے۔ یہ پڑھ کر مسرت ہوئی کہ حافظ پیلی بھیتی پر کام مکمل ہونے والا ہے۔"

اسی طویل خط میں آگے چل کر مزید اہلِ قلم کی کاوشوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "پاکستان میں ایک عزیز شاہد علی نورانی پنجاب یونیورسٹی سے "امام احمد رضا کی عربی شاعری" پر ڈاکٹریٹ کے لیے رجسٹریشن کرا رہے ہیں۔ کوشش کر رہا ہوں کہ انٹرنیشنل یونیورسٹی اسلام آباد میں "امام احمد رضا کے عربی اشعار" کے عنوان پر پی ایچ ڈی کے لیے کوئی فاضل تیار ہوجائے اس یونیورسٹی میں ذریعۂ تعلیم عربی اور انگریزی ہے۔ اس کا مزاج سعودی ہے، مگر اس میں سنّی طلبہ کی ایک تنظیم بھی ہے۔" (مکتوباتِ مسعودی، ص ۱۵۸، مکتوب محررہ مئی ۱۹۹۴ء)

حضرت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد علیہ الرحمہ کے مکتوبات جو ''مکتوباتِ مسعودی'' کے نام سے ڈاکٹر صاحب کے ایک نہایت معتمدِ خاص مولانا عبدالستار طاہر مسعودی نے، جو ایک مضبوط قلم کار ہیں، مرتب کیے تھے! جس کو ادارے نے اپنی ۲۵ ویں (سلور جوبلی) کانفرنس کے موقع پر ۲۰۰۵ء میں شائع کی تھی، اس میں ۲۰۰ سے زیادہ اہلِ قلم کو لکھے گئے کئی سو خطوط کے اقتباسات ہیں۔ ہر خط کا اقتباس بہت اہم ہے اور اپنے اندر ایک تاریخ اور معلومات سمیٹے ہوئے ہے۔ اہلِ علم و دانش اور محققین کو مشورہ دوں گا کہ ان مکتوبات کا ضرور ضرور مطالعہ کریں۔ اس سے آپ کو اہلِ قلم کے ساتھ رابطہ کرنے کا سلیقہ آئے گا اور خطوط کے مطالعے سے آپ کو تحقیق کے اسلوب سمجھ آئیں گے۔ ان کے مطالعے سے آپ علمی رموز حاصل کرنے کے طریقے سیکھیں گے۔ ان خطوط کے مطالعے سے آپ کو خطوط لکھنے کا ڈھنگ بھی آئے گا۔ چنانچہ ایک اور اہم خط کا اقتباس پیش کر رہا ہوں، جو ڈاکٹر صاحب نے ہالینڈ میں مقیم محترم جناب مولانا عبدالمنان قادری کو لکھا تھا۔ ملاحظہ کیجیے فروری ۱۹۹۳ء میں لکھے گئے ایک خط کا یہ اقتباس:

''یہ معلوم ہو کر خوشی ہوئی کہ ہالینڈ میں ۱۹۹۴ء میں امام احمد رضا کانفرنس منعقد کرنے کا ادارہ ہے۔ مولیٰ تعالیٰ اس کانفرنس کو کامیاب بنائے۔ آمین۔ فقیر گوشۂ تنہائی میں تصنیف و تالیف میں مصروف رہتا ہے۔ ہندوستان بھی ۱۵ برس کے بعد جانا ہوا جبکہ وہاں چھوٹے بھائی، بہنیں اور بہت سے عزیز و رشتہ دار رہتے ہیں۔ غریب خانے پر بھی ملاقات کے لیے صرف دو گھنٹے رکھے ہیں تاکہ مسلک کی خدمت ہوتی رہے۔ آپ کی دعوت کا ممنون ہوں۔ علی گڑھ میں پروفیسر ڈاکٹر اقبال احمد انصاری ندوی (سابق صدر شعبۂ دینیات مسلم یونیورسٹی، انڈیا) سے بھی ملاقات ہوئی۔ یہ ابوالحسن علی ندوی کے دستِ راست ہیں اور ''نزھۃ الخواطر'' کے نئے ایڈیشن کے لیے نظر ثانی کر رہے ہیں۔ فقیر نے امام احمد رضا کے بارے میں ''نزھۃ الخواطر'' کے غلط مندرجات کی طرف متوجہ کیا تو انھوں نے متعلقہ صفحات کا عکس دے کر کہا کہ جو غلطیاں ہوں ان کی نشان دہی یا اصلاح کر دی جائے، ان شاءاللہ آئندہ ایڈیشن میں ترمیم کر دی جائے گی۔'' (مکتوباتِ مسعودی، ص ۲۰۲)

نعتِ رسولِ مقبول ﷺ

کلام: مبلغِ اسلام شاہ محمد عبدالعلیم صدیقی قادری میرٹھی علیہ الرحمۃ

الٰہی وہ زباں دے جو ثنا خوانِ محمد ہو
ثنا ایسی کہ ہر آئینہ شایانِ محمد ہو
شرابِ شوق سے لبریز ہو پیمانۂ اُلفت
نگارِ حسن ہو مَیں ہوں خیابانِ محمد ہو
مقامِ لی مع اللہ تک بھلا کس کی رسائی ہو
جب اس خلوت کدہ میں خاص جانانِ محمد ہو
علیمِ خستہ جاں تنگ آ گیا ہے دردِ ہجراں سے
الٰہی کب وہ دن آئے کہ مہمانِ محمد ہو

تضمین حامد علی علیمی

برکلام مندرجۂ بالا

نصیبِ بدنصیباں جاگ اُٹھے گر وہ فرما دیں
ہاں! ہم کہتے ہیں تم بھی جاں نثارانِ محمد ہو
الٰہی از پئے غوث و رضا ایسا کرم کر دے
مِری نسلوں میں جو آئے غلامانِ محمد ہو
ہے ''رَبِّ زِدْنِیْ عِلْماً'' سے دُعا کا حکم آقا کا
متاعِ زندگی میرا یہ فرمانِ محمد ہو
یہی ہے آرزو کب سے دلی حامد علیمؔی کی
الٰہی! وہ بھی دن آئے کہ دربانِ محمد ہو
حیا سے منہ چھپانے کے لیے حامد علیمؔی کو
مُیسّر یا خدا! محشر میں دامانِ محمد ہو

رضاہائر ایجوکیشن پروجیکٹ

محمد حامد رضا (ریسرچ اسکالر، گلبرگہ یونیورسٹی، انڈیا)

رضاہائر ایجوکیشن پروجیکٹ کے تحت ہر ماہ رضویات کے کسی عنوان پر تحقیق کا خاکہ پیش کیا جاتا ہے۔ ادارے کی کوشش ہے کہ یہ خاکے متعلقہ علم و فن کے ماہرین پیش کریں تاکہ سے ان شعبوں میں کالج اور یونیورسٹی سطح پر تحقیق کی حوصلہ افزائی ہو سکے۔ ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا ان تمام تحقیقات میں معاونت کے لیے تیار ہے۔ (عبید)

دبستانِ داؔغ دہلوی کے ایک شاعر حسؔن رضا بریلوی کی ادبی خدمات

اُردو زبان و ادب کی آبیاری میں جہاں دبستان دکن کا اہم رول رہا ہے وہیں دبستان دہلی، لکھنو اور رامپور کا بھی شاندار کردار رہا ہے۔ ان دبستانوں میں دبستانِ دہلی کے ایک اہم ستون حضرت داؔغ دہلوی کی ذات اہمیت کی حامل ہے۔ داغ دہلوی نے اردو زبان کو پروان چڑھانے میں اہم رول ادا کیا ہے۔ اُن کی اس لسانی جدوجہد فنّی کاوش شعری معرکہ آرائی کا نتیجہ یہ ہوا کہ اردو ادب کی تاریخ میں داغ دہلوی کی ذات اور ان کی علمی، ادبی شعری، لسانی خدمات نے ایک الگ دبستان کی صورت اختیار کرلی۔ اس بستان نے کئی ایک شعرا پیدا کیے، جن کی شعری جہات نے نئے معنٰی اور نئے آہنگ کے ساتھ اردو شعری سرمائے میں خاطر خواہ اضافہ کیا۔ اس دبستان نے علامہ اقباؔل، بے خود بدایونی، باغؔ سنبھلی، سیماب اکبرؔ آبادی، نوحؔ ناروی، احسؔن مارہروی، بزم آفندؔی، یوسف لاہوری سے لیکر بے خود دہلوی، نواب ساحل اور حسؔن رضا بریلوی جیسے عظیم المرتبت اہل فن دنیائے ادب کو عطا کیے، جن میں کچھ تلامذۂ داغ کو دنیائے اردو نے مسلم الثبوت شاعر تسلیم کیا۔

؏ داؔغ آخر دےگئے دنیا کو کتنے اہلِ فن

مختلف جامعات میں داغ کی "شخصیت اور فن کے حوالے سے ان کی ادبی شعری خدمات" اور ان کے احباب، رفقا، تلامذہ اور خوشہ چینوں پر عرصۂ دراز سے تحقیق و ریسرچ ہو رہی ہے اور دبستان داؔغ کے گوشے گوشے کا جائزہ لیا جارہا ہے۔ ان تمام جائزہ نگاروں کا اپنا اپنا میدان ہے اور اپنا اپنا مطمح نظر۔ ان تمام تحقیقات و تجزیات کے بعد بھی دبستانِ داؔغ کے بہت سے گوشے ابھی نادیدہ و ناشنیدہ ہیں۔ ان گمنام گوشوں میں ایک اہم گوشہ حسؔن رضا بریلوی کی حیات و خدمات ہے۔ لہٰذا حسن رضا بریلوی کی شعری و نثری خدمات کا تحقیقی جائزہ وقت کی اہم ضرورت سمجھتے ہوئے راقم الحروف نے موصوف کی ادبی خدمات پر تحقیقی کام کرنے کا ارادہ کیا ہے۔

حسؔن رضا بریلوی ۲۲؍ربیع الاول ۱۲۷۶ھ مطابق ۱۹؍اکتوبر ۱۸۵۹ء کو شہر بریلی میں پیدا ہوئے۔ آپ نے ایک معزز و ممتاز علمی گھرانے میں آنکھیں کھولی۔ مہذب پاکیزہ اور دینی ماحول میں تعلیم و تربیت پائی۔ علم کی دولت وراثت میں ہاتھ لگی۔ والد ماجد نقی علی خاں و برادر بزرگ امام احمد رضا خاں بریلوی جیسی عبقری و نابغۂ روزگار شخصیات کی آغوش میں ذہنی و فکری سمت کا تعین ہوا جہاں یہ اوصاف آپ کی ذات کو ستودہ صفات بنانے میں کارگر ثابت ہوئیں، وہیں پر فکر و فن، شعر و سخن اور زبان و ادب کی تاریخی خدمات انجام دینے والی عظیم المرتبت شخصیت حضرت داؔغ دہلوی جیسے مصلح و مربی نے آپ کے شعری سفر میں رہ نمائی فرمائی۔

حسؔن رضا بریلوی اپنے عہد کے ممتاز عالم دین، صاحب طرز ادیب، قادرالکلام شاعر تھے۔ آپ نے ادبی اور مذہبی دونوں خدمات انجام دی ہیں۔ مذہبی خدمات غالب ہیں، جن کے باعث آپ کی ادبی شخصیت نمایاں نہ ہو سکی۔

حسؔن رضا بریلوی کے دو یادگار دیوان ہیں ایک غزلیہ شاعری کا دیوان "ثمر فصاحت" کے نام سے ۱۹۰۱ء میں بریلی سے شائع ہوا۔ یہ مجموعہ صداقت، جذبات اور قلبی واردات کا مرقع؛ دردو کرب اور سوز و ساز کا منبع ہونے کے ساتھ ساتھ رنگینیِ حیات اور حسنِ ادب کا امین و ضامن ہے۔ غزلیاتِ حسؔن میں رفعتِ فکر، لطافت احساس، سلاستِ زبان اور ندرتِ بیان جیسی بہت ساری خصوصیات موجود ہیں۔ الغرض حسؔن بریلوی کی شاعری بنیادی طور پر غزل گوئی، قدیم دبستانِ سخن کی تمام خوبیوں یعنی صحتِ زبان، محاورہ، شوخی معاملہ

بندی اور عشقیہ مضامین کی حامل ہے۔

حسؔن بریلوی کا دوسرا نعتیہ دیوان جو "ذوقِ نعت" کے نام سے ۱۹۰۷ء میں شائع ہوا، جس میں حمد، مسدس، نعتیہ غزل، سلام، منقبت، مثنوی، شہادت نامہ، رباعی اور قطعہ سب کچھ موجود ہے۔ حسؔن رضا بریلوی کا یہ ضخیم دیوان ہر صنفِ سخن میں طبع آزمائی اور فنّی عظمتوں سے معمور نظر آتا ہے۔ چودھویں صدی ہجری کے آغاز میں مولانا احمد رضؔا بریلوی کے بعد حسؔن بریلوی ہی وہ واحد شاعر ہیں جنہوں نے کئی اعتبار سے نعتیہ شعر و ادب کی زلفیں سنواریں، وسیع امکانات پیدا کیے اور ساتھ ہی معنیٰ خیزی، مضمون آفرینی اور فکری بلندی کی تابانیوں سے مجلیٰ کر کے اپنی شناخت بنائی، جس کے تحت یہ حقیقت سامنے آئی کہ حسؔن رضا بریلوی کی شاعری اصحابِ فکر و فن کے لیے مشعلِ راہ بنی۔ حسؔن بریلوی اپنی شاعری میں ایک طرف عظمتِ رسالت، اظہارِ عجز و انکساری، التجاءِ مغفرت اور احساسِ ندامت کا حق ادا کرتے ہیں، تو دوسری طرف عمیق معنویت، فنّی تہہ داری فصاحت و بلاغت اور لطیف طرزِ اسلوب پر بھی خصوصی زور دیتے ہیں۔ بہر کیف "ذوقِ نعت" حسؔن رضا بریلوی کی کیف و نشاط سے معمور نعتوں، دلکش و دلاویز سلاموں ایمان افروز حمد و منقبت اور چند بلند پایہ قطعات و رباعیات پر مشتمل ایک ایسا گراں قدر اور بیش بہا مجموعہ کلام ہے جو فنّی اوصاف و محاسنِ شعری کا مکمل آئینہ دار ہونے کے باعث قابلِ قدر ادبی سرمائے کی حیثیت رکھتا ہے۔

ان کے علاوہ حسؔن رضا بریلوی نے شعری خدمات کے علاوہ جو نثری خدمات انجام دی ہیں وہ ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ آپ کی اُردو نثر میں یادگار تصانیف جن میں بیش تر آپ کے زمانۂ حیات میں ہی چھپ کر مقبولِ خاص و عام ہو چکی تھیں جو درج ذیل ہیں:

(۱) تزکِ مرتضوی	(۵) دینِ حسن
(۲) نگارستانِ لطافت	(۶) قہر الدّیان علی مرتد بقادیان
(۳) بے موقع فریاد کا جواب	(۷) سوالاتِ حق نما
(۴) آئینۂ قیامت	

تاریخ اردو ادب اور شعری روایات کا یہ المیہ ہے کہ چمنستان اُردو کا ایسا گلِ سر سبد اور دبستانِ داغ کا ایسا شاہکار' فن کار تاحال پردۂ گمنامی میں پڑا ہوا ہے۔ وقت کا تقاضا ہے کہ تاریخِ اردو ادب کے ایسے تاب دار گوہروں اور خیرہ کن جوہروں کو متعارف کروایا جائے تاکہ اردو ادب کی تاریخ نہ ادھوری سمجھی جائے، نہ استاذانِ فن کی کاوشوں کی حق تلفی ہو اسی تقاضا کو سامنے رکھ کر دبستانِ داغ کے ایک نامور شاعر حسؔن رضا بریلوی کی حالتِ زندگی اور ان کی ادبی کمالات کو راقم الحروف نے موضوعِ تحقیق بنایا ہے۔ تحقیقاتی مقالہ جات کی تکنیک، ہیئت کے پیش نظر خاکسار نے اس مقالے کی درجہ بندی کی ہے اور اس مقالہ کو پانچ (۵) ابواب میں تقسیم کیا ہے:

بابِ اوّل: دبستانِ داغ کے ایک شاعر حسؔن بریلوی کے حالاتِ زندگی
باب دوم: داؔغ اور شاگردانِ داؔغ کا تعارف
باب سوم: حسؔن رضا بریلوی کی تصانیف کا اجمالی جائزہ
باب چہارم: حسؔن رضا بریلوی بحیثیت نثر نگار
باب پنجم: حسؔن رضا بریلوی بحیثیت شاعر
ماحصل، کتابیات

بابِ اوّل: حسؔن رضا بریلوی کے حالاتِ زندگی

اس باب میں حسن رضا بریلوی کے احوال و آثار سے متعلق گفتگو کی جائے گی۔ اس میں ان کے خاندانی پس منظر، ماحول شعری فضا، حیات و سیرت، کا تحقیقی جائزہ لیا جائے گا۔

باب دوم: داؔغ اور شاگردانِ داؔغ کا تعارف

اس باب کے تحت حضرت داغ کا تعارف پیش کیا جائے گا اور اُن شاگردوں، خوشہ چینوں اور مستفیدین کے شعری کارناموں کو اجاگر کرتے ہوئے ان کے احوالِ حیات کا اجمالی جائزہ لیا جائے گا۔

باب سوم: حسؔن رضا بریلوی کی تصانیف کا اجمالی جائزہ

حسؔن بریلوی چونکہ شعرائے گمشدہ میں سے سمجھے جاتے ہیں اس لیے اس باب میں ان کی تصانیف کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ لیا جائے گا۔

باب چہارم: حسؔن رضا بریلوی بحیثیت نثر نگار

اس باب کو حسن بریلوی کی نثری تصانیف و خدمات کے لیے مختص کیا گیا ہے، جس میں ان کے ارتقائی مراحل علمی و فنی کاوشوں کا جائزہ لیتے ہوئے ان کے اسلوب نگارش کے خصوصیات پر روشنی ڈالی جائے گی۔

باب پنجم: حسؔن رضا بریلوی بحیثیت شاعر

یہی وہ باب ہے جس میں حضرت داؔغ کے قابل فخر شاگرد حسؔن بریلوی کے شعری کمالات کا تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ پیش کیا جائے گا۔

"فروغِ صبحِ تاباں" پر ایک نظر

سیّد محمد عبداللہ قادری (واہ کینٹ، پاکستان)

حضرت علامہ سیّد وجاہت رسول قادری بن مولانا سیّد وزارت رسول قادری حامدی بن مولانا مفتی سیّد ہدایت رسول قادری برکاتی نوری لکھنوی ۱۶ جولائی ۱۹۳۹ء بہ مطابق ۲۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۸ھ بنارس میں پیدا ہوئے۔ قرآنِ مجید ناظرہ اور اردو کی ابتدائی تعلیم والدۂ ماجدہ نظیر النساء بنت یٰسین خاں بنارس (م ۱۹۸۷ء) سے حاصل کی۔ کچھ عرصے دارالعلوم حمیدیہ رضویہ میں دینی تعلیم حاصل کی۔ پھر آپ کے والدِ ماجد بہ سلسلۂ ملازمت مشرقی پاکستان چلے گئے۔ راجشاہی سے ۱۹۵۷ء میں میٹرک کیا۔ بی اے آنرز اکنامکس گورنمنٹ کالج ڈھاکہ سے کیا۔ ۱۹۶۳ء میں راجشاہی یونی ورسٹی سے ایم اے معاشیات کیا۔

سیّد وجاہت رسول قادری ۱۹۶۴ء میں کراچی منتقل ہوگئے۔ آپ نے شعر و سخن میں مولانا فضل قدیر ندوی اور پروفیسر کلیم سہسرامی سے اصلاح لی۔ نعتیہ شاعری میں حکیم غلام مصطفیٰ کوثر امجدی سے اصلاح لیتے رہے۔ ۱۹۶۶ء میں حبیب بینک میں آفیسر کی حیثیت سے ملازمت شروع کی۔ ۷؍ اگست ۱۹۷۰ء کو ڈاکٹر برجیس جہاں بنت پروفیسر عزالدین نقوی کے ساتھ عقدِ نکاح ہوا۔ نکاح خواں حضرت نذرِ معین احمد شاہ نورانی علیہ الرحمۃ تھے۔ آپ کے دو بیٹے ہیں سیّد محمد سطوت رسول قادری سیّد محمد صولت رسول قادری۔

۱۹۶۳ء میں بمقام اجمیر شریف، مفتیِ اعظم ہند مولانا محمد مصطفیٰ رضا خاں بریلوی قادری نوری (م ۱۹۸۱ء) سے بیعت ہوئے۔ مولانا تقدس علی خاں بریلوی سے سلسلۂ قادریہ رضویہ حامدیہ میں خلافت واجازت ملی۔ ۱۹۸۱ء میں اپنی والدۂ ماجدہ کے ساتھ پہلا حج کیا؛ مدینے شریف میں قطبِ مدینہ حضرت مولانا ضیاء الدین مدنی علیہ الرحمہ سے شرف ملاقات کی۔ ۱۳۹۸ھ میں مولانا مصلح الدین صدیقی قادری نے دلائل الخیرات کی اجازت دی۔ سیّد وجاہت رسول قادری مدظلہ، ۶ ستمبر ۱۹۹۹ء کو مصر کے دورے پر گئے تو حضرت مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری بھی ساتھ تھے۔ مصر میں، حضرت شیخ الازہر الدکتور محمد سید طنطاوی سے بھی ملاقات ہوئی۔ ۲۵ جون ۲۰۰۳ء میں غوثیہ کانفرنس منعقدہ چاٹگانگ میں شرکت کے لیے بنگلہ دیش گئے۔ سیّد وجاہت رسول قادری زید مجدہٗ اپنی تحریروں میں اکثر بنگلہ دیش کا ذکر کرتے ہیں کیوں کہ انہوں نے میٹرک، راجشاہی سے کیا۔ بچپن جہاں گزرا ہو وہ عمر بھر یاد رہتا ہے، یہ قدرتی امر ہے۔

اعلیٰ حضرت الشاہ احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہٗ کی تعلیمات کو عام کرنے کے لیے پاکستان کے، محقق و نقاد، سوانح نگار، مبصر، حضرت حکیم محمد موسیٰ امر تسری بن حضرت فخر الاطباء حکیم فقیر محمد چشتی نظامی فخری علیہ الرحمۃ نے جن چند مخلص دوستوں کے تعاون سے ۱۹۶۸ء میں مرکزی مجلسِ رضا رجسٹرڈ لاہور قائم کی۔ اس کے بعد کراچی میں حضرت سیّد ریاست علی قادری رحمۃ اللہ علیہ نے "ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا کی بنیاد رکھی یہ ۱۹۸۰ء کی بات ہے۔ مولانا سید ریاست علی قادری مرحوم ولد سیّد واجد علی قادری رضوی بریلوی جون ۱۹۳۲ء بریلی شریف محلہ شاہ آباد میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم محلہ میں ہی حاصل کی۔ اسلامیہ ہائی اسکول میں فارسی زبان کے استاد علامہ شمس الحسن شمس بریلوی (م ۱۹۹۶ء) تھے۔ تقسیمِ پاکستان کے بعد ۱۹۴۸ء میں کراچی آگئے۔ ۱۹۵۹ء میں محکمۂ ٹیلی فون میں ملازم ہوگئے۔ ہری پور ٹیلی فون انڈسٹری میں بڑے صاحب دل تھے، علم، ادب کے دل دادہ تھے۔ اسلام آباد میں کافی عرصہ رہے "ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا" کو آپ نے بہت وسعت دی۔ یوم رضا منائے جاتے، جس میں پاکستان کے اہلِ علم، حضرات، دانشور، محقق مقالے پیش کرتے۔ آپ ۱۹۹۲ء میں رحلت فرماگئے۔ سیّد ریاست علی قادری علیہ الرحمہ سے میری کئی ملاقاتیں ہوئیں۔ چند بار میرے والدِ گرامی نام ور محقق و نقاد سید نور محمد قادری علیہ الرحمۃ چک نمبر ۱۵ شمالی ضلع گجرات میں ساتھ ہوتے۔

"ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا" نے ۱۹۸۱ء میں مجلہ "معارفِ رضا" کا اجرا کیا۔ دوسرا مجلہ ۱۹۸۲ء میں شائع ہوا۔ حضرت سیّد ریاست علی قادری علیہ الرحمۃ کی رحلت کے بعد، حضرت سید وجاہت رسول

قادری مدظلہٗ کو ادارے کا صدر منتخب کیا گیا۔ تب سے ادارے کی ترقی وترویج میں کوشاں ہیں۔ معارف رضا، ماہنامہ ہے۔ سالنامہ بھی شائع کیا جاتا ہے۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کی تعلیمات اور نظریات کو کئی زبانوں میں شائع کیا جاتا ہے تاکہ دنیا بھر کے اسکالرز مستفید ہو سکیں۔ سیّد وجاہت رسول قادری مدظلہٗ کئی زبانیں جانتے ہیں صاحبِ مطالعہ بزرگ ہیں اور صاحبِ تصنیف بھی ہیں۔

تصانیف

(۱) اصلاح معاشرہ سیرت رسول کی روشنی میں۔
(۲) رحمت عالم (ﷺ) امن واخوت کے عظیم داعی۔
(۳) تاریخ نعت گوئی میں امام احمد رضا کا مقام۔
(۴) دارالعلوم منظر اسلام بریلی شریف۔
(۵) امام احمد رضا اور تحفظِ ختم نبوت۔
(۶) صلوٰۃ وسلام۔
(۷) کنزالایمان کی عرب دنیا میں پزیرائی۔
(۸) معلّم کائنات۔
(۹) اسوۂ حسنہ کے چراغ۔
(۱۰) اللہ کے دوست۔
(۱۱) اسلام میں عدل واحسان۔
(۱۲) خاندانِ نبوت کا اسوۂ حسنہ۔
(۱۳) حقیقتِ میلاد النبی ﷺ۔
(۱۴) اہلِ تصوّف کا تصوّرِ جہاد۔
(۱۵) A Guide Line To Zakat + Ushr Ordinance
(۱۶) Imam Ahmad Raza – A Versatile Personality

سیّد وجاہت رسول قادری زید مجدہٗ ۱۳ سال تک جمعۃ المبارک پڑھاتے رہے۔ فنّ خطابت سے بھی خوب آشنا ہیں۔ کچھ عرصے سے عارضۂ قلب میں مبتلا ہیں۔ اللہ تعالیٰ جلی شانہ عزوجل حضرت سیّد صاحب مدظلہ کو نبی روف ورحیم ﷺ کے صدقے صحت والی عمر عطا فرمائے! آمین ثم آمین۔ اب قلب (دل) پر چند باتیں کرتے ہیں۔

سید وجاہت رسول قادری زید لطفہ اپنے مجموعۂ کلام ”فروغِ صبحِ تاباں“ میں فرماتے ہیں:ـ

مصحف عارض جاناں کی تجلّی دیکھو
اڑگئے ہوش میرے دل کو سپارا کرکے
عالمِ دل میں گم ہے کون و مکاں
عالمِ دل کی بات کرتے ہو
ذکرِ تاباں پہ ہنس کے فرمایا
صاحبِ دل کی بات کرتے ہو
نورِ محمدی سے ہیں روشن ہمارے دل
پھونکوں سے یہ چراغ بجھائے نہ جائیں گے

حضرت تاباں اور دیگر شعرا

مصحف عارض جاناں کی تجلّی دیکھو
اڑگئے ہوش مرے دل کو سپارا کرکے

پیر فضل حسین فضلؔ گجراتی (مصنف ڈونگھے پنیڈے)

مصحف رخ تیرے دے ورقے جلدی کویں اُتھلاں
اک اک حرف پڑھاں وچہ دل دے لکھ لکھ واری چلاں
دل زلفاں وچہ لجھاتھے ہوئے نسن جوگ نہ رہندے
مشکاں نبھ متاع صبر دی لٹن نین لیٹرے
او راتاں چنگیاں سن دن جلے سن
میرے دل نوں جدوں جھکڑ تیرے سن
میرے دل بھولے تائیں فضلؔ چنگی بت خانیوں حسن دی چاٹ لگی
تھکدا نئیں مسیت دے وچہ بیٹھا، سنداجدوں توڑی ذکر حورر نہاں
(پیر فضلؔ)

اب حضرت مولانا حسن رضا بریلوی (شاگردِ حضرت داغ دہلوی) سے پوچھتے ہیں کیا فرماتے ہیں:ـ

میں جانتا ہوں دل پہ جو گزری شب فراق
دل جانتا ہے مجھ پہ جو صدمے گزر گئے
دل کو جاناں سے حسنؔ سمجھا بجھا کر لاتے تھے
دل ہمیں سمجھا بجھا کے سوئے جاناں لے چلا

حضرت داغؔ

عجب اپنا حال ہوتا جو وصال یار ہوتا
کبھی جاں صدقے ہوتی کبھی دل نثار ہوتا

حضرت میاں محمد بخش قادری کھڑی شریف۔

جس دل اندر عشق نہ رچیا کتے اوس تھیں چنگے

کسی نے خوب کہا ہے۔

دلا ٹھہر جا ذرا، یار دا نظارہ لین دے

جذبؔی۔

کچھ دل کو محبت میں مٹنے کا خیال آیا
کچھ تیرے تغافل کی حوصلہ افزائی

حسرت موہانی۔

ہم تو کیا بھولتے انہیں حسرتؔ
دل سے وہ بھی ہمیں بھلا نہ سکے

بے خود بدایونی۔

وہ عمر اپنے زمانے کی کائنات جو تھی
گزر گئی دلِ صد چاک میں رفو کرتے

حضرت میرزا امجد رازؔی، "فروغِ صبحِ تاباں" کا مقدمہ تحریر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: تلمیح: یعنی شاعر اپنے کلام میں کسی مسئلۂ مشہورہ یا کسی قصّے یا مثل شائع یا اصطلاحِ نجوم وغیرہ کسی ایسی بات کی طرف اشارہ کرے جس کے بغیر معلوم ہوئے اور بے سمجھے اس کلام کا مطلب اچھی طرح سمجھ نہ آئے۔ جیسے غالبؔ کا یہ شعر دیکھیے:۔

کاوِ کاوِ سخت جانی ہائے تنہائی نہ پوچھ
صبح کرنا شام کالانا ہے جوئے شیر کا

اشارہ ہے فرہاد و شیریں کے قصے کی طرف فرہاد کا شیریں پر عاشق ہونا اور کوہ بے ستوں سے نہر نکالنا تا کہ اس میں دودھ بھر کر آئے اور فرہاد کا غلط خبر پانے سے تیشہ مار کر مر جانا ایک مشہور قصّہ ہے۔ آیئے اسی مثال میں جناب تاباںؔ کے کلام سے ایک شعر بطورِ مثال دیکھیے:۔

بوئے یوسف سے نگاہوں نے جِلا پائی ہے
آنکھیں روشن ہوئیں یعقوب کی گوہر سہرا

اس شعر میں قرآن کے مشہور واقعے کی طرف تلمیح ہے یعنی ہجرِ یوسف میں حضرت یعقوب کی بینائی کا چلے جانا اور حضرت یوسف کا اپنی قمیص بھیجنا حضرت یعقوب کی طرف؛ پھر حضرت یعقوب کا اس کی خوشبو کو میلوں سفر سے محسوس کرنا اور اس قمیص کے ذریعے حضرت یعقوب کی بینائی کا لوٹ آنا۔

حضرتِ تاباںؔ

عشقِ نبی کے نور سے تاباںؔ ہے ذوقِ نعت
بزمِ سخن میں دھوم رضا تاج ور کی ہے

حضرت محمد جان انجمؔ وزیر آبادی نے خوب کہا ہے۔

ملا ہے ذوقِ نعتِ مصطفیٰ مجھ کو مقدر سے
بلندی پائی ہے میں نے فزوں جمشید و قیصر سے

حضرت تاباںؔ (سیّد وجاہت رسول قادری)

اٹھوں روزِ محشر میں تاباںؔ یہ کہتا
حبیبِ خدا پر سلام اللہ اللہ

حضرت محمد جان انجمؔ وزیر آبادی۔

حبیبِ خدا کا مقام اللہ اللہ
ہیں سدرہ پہ محوِ خرام اللہ اللہ

حضرت سیّد وجاہت رسول قادری مدظلہٗ سے راقم الحروف کے علمی و ادبی مراسم ہیں۔ میرے والدِ ماجد سیّد نور محمد قادری علیہ الرحمۃ چک ۱۵ شمالی ضلع منڈی بہاء الدین پنجاب سے بھی تعلقات علمی تھے اور اُن کے تحریری کام کو اہمیت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ راقم الحروف (سید محمد عبد اللہ قادری) کو زندگی میں ایک بار حضرت سیّد وجاہت رسول قادری سے ملنے کا شرف حاصل ہوا۔ پروفیسر ڈاکٹر سفیر اختر ایم اے، پی ایچ ڈی کے ہاں لوسر شرفو واہ کینٹ میں، میں نے "فروغِ صبحِ تاباںؔ" پر چند بے ربط سے الفاظ لکھے ہیں، شاید کام بن جائے۔ یہ کام میرے ذمّے، معروف نعت گو، تاریخ گو محترم محمد عبد القیوم خاں طارق سلطانپوری مدظلہ، حسن ابدال ضلع اٹک پنجاب نے لگایا ہے۔ اگرچہ میں خود شاعر نہیں ہوں، یہ اہلِ علم ہی بتائیں گے میں کہاں تک کامیاب ہوا ہوں۔

"انتخاب" از سیّد عبد اللہ قادری

غزل

مرے خون دل میں رواں دواں ترا عکس روئے جمال ہے
مگر اے ندیم تو یہ بتا یہ فراق ہے کہ وصال ہے
یہ تری نظر کا خمار ہے، ترے حسن کا یہ نکھار ہے
کہ ہر ایک سمت کھلا ہوا ترا گلستان جمال ہے

مجھے شام غم میں اکثر تیری یاد آگئی ہے
شب یاس میں ہے تاباںؔ تری آس کا ستارا

کس کی نظروں کے سوز سے ذرّے
آفتاب جمال میں گم ہیں

ہم بھی رشکِ قمر ہوئے تاباںؔ
جب سے اُن کے جمال میں گم ہیں

مصحفِ عارض جاناں کی تجلی دیکھو
اڑگئے ہوش مِرے دل کو سپارا کرکے

تیرے مشتاق تو پا جاتے ہیں عرفان حیات
تیری دز دیدہ نگاہی کو سہارا کرکے

ہم کو منظور نہیں تیری جفا کی توہین
"ہم ترے طرز تغافل کو ادا کہتے ہیں"

ہے حریم حسنِ معنٰی ترا میکدہ جو ساقی
میری خلوتوں میں تاباںؔ تری جلوہ گستری ہے

"انتخاب"

غزل

نہ کربیٹھے یہ دیوانے جو سجدہ ہم بھی دیکھیں گے
وہ آئیں تو سر محفل تماشا ہم بھی دیکھیں گے

بالآخر رنگ لے آیا دل بلبل کاخوں ہونا
حنا بندی گلوں کی ہے ہر اک شاخ گلستاں پر

مبارک ہیں وہ آنکھیں جو کسی کی یاد میں ترہوں
ہزاروں لعل وگوہر ہیں نثار اک چشم گریاں پر

نشان راہ پاتا ہے ضیائے دل سے وہ تاباںؔ
جو چلتا ہے بھروسہ کرکے اپنے نور ایماں پر

یہ لالہ خوش رنگ نہیں صحنِ چمن میں
جلتے ہیں چراغ آج مرے خون جگر سے

تاباںؔ نہیں کچھ لائق تحسین سخن ور
دیکھا ہے مگر آپ نے اک حسنِ نظر سے

ترے میکدے میں ساقی کہاں لطف میگساری
نہ نگاہ میں وہ شوخی نہ ادائے کافرانہ

مجھے لے گیا ہے تاباںؔ بحریمِ قدس اکثر
ترا فیض عارفانہ، مرا ذوق عاشقانہ

آپ شہر وفا میں اے تاباںؔ
اب تو بیگانہ سمجھے جاتے ہیں

دار پر پہنچے تو یہ عقدہ کھلا
آج تکمیل محبت ہوگئی

آج بزم شعر میں تاباںؔ ہیں آپ
اللہ اللہ کیسی شہرت ہوگئی

غزل

یہ خلوص بیکراں کس کام کا اس بزم میں
جب سنہرے ٹھیکروں سے ہی بہل جائے ہیں لوگ

اس وفا کے شہر کا تاباںؔ یہی دستور ہے
پیار کی کرتے ہیں باتیں، پھر بدل جاتے ہیں لوگ

عالم دل میں گم ہے کون و مکاں
عالم دل کی بات کرتے ہو

ذکر تاباںؔ پہ ہنس کے فرمایا
صاحب دل کی بات کرتے ہو

نگاہوں سے مچل کر دل کے افسانے کہاں جاتے
تری محفل سے اٹھ کے تیرے دیوانے کہاں جاتے

انہیں کے داغ الفت سے گل گلزار ہے صحرا
نہ ہوتے گر یہ دیوانے تو ویرانے کہاں جاتے

کرم اتنا تو ہے تاباںؔ تصور میں تو آتے ہیں
وگرنہ غم کے مارے دل کو بہلانے کہاں جاتے

آپ کا مسکرانا بڑی بات ہے
ہم سے نظریں چرانا بڑی بات ہے

راز الفت چھپانا بڑی بات ہے
دار پر مسکرانا بڑی بات ہے

رخ سے آنچل چلے ہٹانے کو
آگ لگ جائے گی زمانے کو

عزم نو کے چراغ نے تاباںؔ
راہ دکھلائی ہے زمانے کو

"نعتیہ انتخاب"

ترے رہ گزر کی قسم کھائے قرآں
تری خاک پا کا مقام اللہ اللہ
اٹھوں روزِ محشر میں تاباؔں یہ کہتا
حبیب خدا پر سلام اللہ اللہ
وہ دیکھتے ہیں حاضر و ناظر حضور کو
جن کو میسر آگہی قلب ونظر کی ہے
عشق نبی کے نور سے تاباؔں ہے ذوق نعت
بزم سخن میں دھوم رضاؔ تاج ور کی ہے
ان کا خیال ان کا تصور ہو روز و شب
اپنی یہ زندگی یونہی گزرے خدا کرے
بزم رضاؔ میں شمعِ مدینہ کا نور ہے
روشن یہ انجمن رہے یونہی خدا کرے
تاباؔں رخ حضور سے روشن ہے کائنات
خورشید کیوں نہ آپ سے کسب ضیا کرے
کوئی جائے اُن سے پوچھے وہ جو تھے عرب کے وحشی
کہ یہ کیسا راز پنہاں تھا نگاہِ مصطفیٰ میں
درِ مصطفیٰ ہو، سر ہو، رخ مصطفیٰ ہو دل ہو
یوں ہی جان دے دوں یارب کہ ہے زندگی فنا میں
مری زندگی کے تاباؔں یہی چاند اور ستارے
مرے رشک جو ہیں ٹپکے کبھی یاد مصطفیٰ میں
گوشے ہستی کے سب ہوئے تاباؔں
جب خیال رخ جناب آیا
سراپا عکس محمد پہ یہ قبا رنگیں
"نگاہ عشق میں ہیں کس قدر حسین حسین"

منقبت الشاہ احمد رضا بریلوی

ہم گرفتار بلا ہیں آج پھر اس دور میں
آپ کی ہے پھر ضرورت حضرتِ احمد رضا
آج سینوں میں ہے تاباؔں نور عشق مصطفیٰ
آپ کا ہے فیض وبرکت حضرت احمد رضا

منقبت مفتی محمد عمر نعیمی

وہ اپنی ذات سے تاباؔں چراغ محفل تھے
جو گل ہوئے تو ہیں خوشبوئے جان محمد عمر

دیگر

حضرت شاہ جلال یمنی سلہٹ مشرقی پاکستان

بنے ہیں نورِ محمد کے آج کاشانے
تری نگاہ سے آباد دل کے ویرانے
مثال شمع ہے تیرا وجود سلہٹ میں
وفور شوق میں گرتے ہیں آکے پروانے

حضرت ابراہیم رضا خاں جیلانی میاں ؒ

مشعلِ بزم طریقت حضرت احمد رضا
نائب حامد رضا تھے شاہ جیلانی میاں
گرمی عشقِ نبی سے سینہ و دل داغ داغ
شمع بزم رضا تھے شاہ جیلانی میاں
آج تاباؔں اخترِ احمدرضا ہے لوح پر
اور اس کی ابتدا تھے شاہ جیلانی میاں

کنزالایمان رضا ؒ

ہم زبان شہزاد کی ہے بزم فیضانِ رضا
آج ہے عنوان سخن کا کنز ایمانِ رضا
آیۂ فتح مبین کو خوب روشن کردیا
بخشش عاصی کا ضامن کنز ایمانِ رضا
غیر ممکن ہے نبی سے اک گنہ کا بھی صدور
دیکھ لے پڑھ کر یہودی! کنز ایمانِ رضا
عاشقِ صادقِ رضا کا اک جہاں میں نام ہے
العطایا النبویہ، کنز ایمان رضا
"میکند تاباؔں دعای بشنوآمینی بگو"
سایۂ گسترباد ما را کنز ایمانِ رضا

قطعات

جگر مراد آبادی

بزم خوباں کا جو تھا روح رواں جاتا رہا
مرکز شعروسخن شیریں بیاں جاتا رہا

جس کے نغمے تھے گلستاں کے لیے جاں بہار
آہ وہ رشکِ چمن نغمہ کناں جاتا رہا

مولانا حامد حسن قادری

علم کی تابانیوں سے اس کا روشن تھا دماغ
عشق کی رعنائیوں سے اس کا سینہ داغ داغ
یعنی وہ حامد حسن القادری ماہ سخن
ظلمتِ بزم ادب میں علم و عرفاں کا چراغ

ہلال عید

پھر آج ہلال عید کا ہوتا ہے نمودار
ہر ایک مسرت سے نظر آتا ہے سرشار
ہم خاک نشینوں کی یہی عید ہے تاباںؔ
اس ماہ عرب ماہ منور کا ہو دیدار

شفیق استاد مکرم

تری گرمی محبت نے دلوں کو سوز بخشا
ترا شعلہ محبت تھا چراغ راہ داری
تری مسکراہٹیں تھیں مرے درد کا مداوا
تری خلوتوں میں تاباںؔ رہے نورحسن باری

مولانا مشتاق احمد نظامی کی کتاب "خون کے آنسو" تاثرات:

کچھ داغ تو دھو ڈالے ہیں اغیار نے لیکن
دامن سے مٹائیں تو ذرا "خون کے آنسو"
سچ پوچھیے تاباںؔ تو اک عاشق کی نظر میں
ہیں لعل و گوہر سے بھی سوا "خون کے آنسو"

تجدید عہد

پھر سے چراغ راہ محبت جلائیں گے
خون جگر سے اپنے چمن کو سجائیں گے
نور محمدی سے ہیں روشن ہمارے دل
پھونکوں سے یہ چراغ بجھائے نہ جائیں گے

قطعہ تاریخ برولادتِ نور نظر لخت جگر ڈاکٹر خواجہ آفتاب احمد صاحب

چہرۂ روشن ہے یا کھلتا گلاب
آپ کا نورِ نظر یا آفتاب
ہو مبارک آپ کو بیٹا جناب
٣٠٣
"آفتاب آمد دلیل آفتاب"
١٠٨٧ + ٣٠٣ = ١٣٩٠ھ

قطعہ تاریخ پر ولادت نور نظر لخت جگر مولانا اجمل رضا قادری۔ موڑایمن آباد گوجرانوالہ

ازروئے "یمن" گفتم تاریخ بامسرت
١٠
اجمل کے گھر میں الحمد بیٹے کی ہے ولادت
١٤٢٠ + ١٠ = ١٤٣٠ھ
"آواز" سن رہی ہے تاباںؔ میری سماعت
١٥
سن لے زمانہ "یہ ہے زیبا مہِ فضلیت"
١٤١٥ + ١٥ = ١٤٣٠ھ

حضرت سید وجاہت رسول قادری صاحب نے خواجہ آفتاب احمد کے نور نظر کی خوب تاریخ کہی "آفتاب آمد دلیل آفتاب" حضرت محمد جان انجم وزیر آبادی کا ایک خوب صورت شعر ملاحظہ فرمائیں اور لطف اٹھائیں۔

تیری صورت میں ہو انور حقیقت بے نقاب
کیوں نہ کہہ دو آفتاب آمد دلیل آفتاب
(انجم)

"صاحبِ فیض رضا"

ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کے تحت بانی ادارہ سید ریاست علی قادری بریلوی کے علمی و تحقیقی آثار کی جمع و ترتیب جاری ہے۔ اگر آپ کے پاس سید صاحب کی کوئی قلمی یا شائع شدہ تحریر، تاثر، تقریظ، پیش لفظ، تقدیم، یاداشت، خط، مراسلت، آڈیو یا ویڈیو ریکارڈ موجود ہے تو ادارے کو اس کی کاپی فراہم کریں یا نشاندہی کریں۔

****

"فروغِ صبح تاباںؔ"

ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کے تحت صدرِ ادارہ سید وجاہت رسول قادری مدظلہ کے علمی و تحقیقی آثار کی جمع و ترتیب جاری ہے۔ اگر آپ کے پاس سید صاحب کی کوئی قلمی تحریر، تاثر، تقریظ، پیش لفظ، تقدیم، یاداشت، خط، مراسلت، آڈیو یا ویڈیو ریکارڈ موجود ہے تو اس کی کاپی فراہم کریں۔ ہم آپ کے ممنون ہوں گے۔ عبید

منظومات

نعت بر رنگِ غزل

وہ کوثر ہم بھی دیکھیں گے، وہ پیالہ ہم بھی دیکھیں گے
رخِ انور کا پرتو ہے جو شیشہ ہم بھی دیکھیں گے
نہ کر بیٹھے یہ دیوانے جو سجدہ ہم بھی دیکھیں گے
وہ آئیں تو سرِ محفل نظارا ہم بھی دیکھیں گے
ذرا اے ساقیِ کُل اپنی نظروں سے پلانا تو
رہے گی کس کو ساغر کی تمنّا ہم بھی دیکھیں گے
یقیں ہے حشر میں ہوگا سماں میلادِ اکبر کا
سلام و نعت کا پڑھنا پڑھانا ہم بھی دیکھیں گے
زہے قسمت بصد جلوہ تصور میں وہ آئے ہیں
مکاں سے لامکاں تک اب اجالا ہم بھی دیکھیں گے
کہیں آئینۂ ہستی، کہیں اک جلوۂ انور
رخِ روشن کو کیا کہیے کہ کیا کیا ہم بھی دیکھیں گے
ربیع النّور ہے آرائشِ گیتی کے ساماں ہیں
چمن کے پھول، پتوں کا سنورنا ہم بھی دیکھیں گے
ذرا اے حسنِ کامل اک نظر ہم پر عنایت کی
تو پھر ان چاند تاروں کا چمکنا ہم بھی دیکھیں گے
یہی شمعِ محبت، ہر طرف جس کی ضیائیں ہیں
سدا دل میں رہی تاباںؔ تو جلوہ ہم بھی دیکھیں گے

☆سیّد وجاہت رسول تاباںؔ قادری

منقبتِ مفتیٔ اعظم ہند

ہمارے مفتیِ اعظم کا ہر جلوہ نرالا ہے
یہاں بھی بول بالا ہے، وہاں بھی بول بالا ہے
شریعت اور طریقت کو ملا کر پیتے ہیں ہم سب
شرابِ قادری پینے کا ڈھنگ ہی کچھ نرالا ہے
شریعت ڈھونڈنے والوں! میری مانو چلے آوَ
درِ احمد رضا ہی اک شریعت کا اُجالا ہے
رضا، ابنِ رضا اور ابوحنیفہ کا یہ مسلک ہے
کہ گستاخِ نبی کا دل بھی کالا منہ بھی کالا ہے
نبی (ﷺ) کے عشق کی شمع جلا کر اعلیٰ حضرت نے
جنازہ تھانویت نیچریت کا نکالا ہے
جہاں تک تم سمجھتے ہو وہیں تک حد نہیں انجمؔ
میرا پیرِ طریقت اور ہی کچھ شان والا ہے

☆جناب انجمؔ نوری

قطعہ

نہ مرا نوش ز تحسیں نہ مرا نیش ز طعن
نہ مرا گوش بمدحے نہ مرا ہوش ذمے
منم و کنج خمولی کہ نگنجد درو وے
جز من و چند کتابے و دوات و قلمے

(یہ قطعہ مبارکہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں قدس سرّہٗ کی مکمل سوانح عمری ہے جو خود اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے تحریر فرمایا ہے)

دُور و نزدیک سے

قارئینِ معارفِ رضا کے خطوط، ای میل اور خبریں

محمد حامد رضا (گلبرگہ شریف، کرناٹک، انڈیا)

باسمہ تعالیٰ۔ محب گرامی قدر۔ السلام علیکم رحمتہ اللہ وبرکاتہ
امید کہ مزاجِ گرامی بخیر ہوں گے۔ حسبِ وعدہ میں نے سیناپسس (Synopsis) رپورٹ بذریعہ میل روانہ کر دیا، جس کا مطالعہ فرماکر میری رہ نمائی فرمایں گے۔ مولاتبارک و تعالیٰ آپ کو سلامت رکھے اور آپ کے ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کو عظمت و رفعت کے آسمان پر بدر کامل کی طرح تابندہ کرے۔

سیّد محمد عبداللہ قادری (واہ کینٹ)

گرامی قدر حضرت سیّد وجاہت رسول قادری صاحب
السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ، مزاج شریف!
آپ کے شعری دیوان "فروغ صبح تاباں" پر کچھ لکھنے کی کوشش کی ہے۔ معلوم نہیں میں کہاں تک کامیاب ہوا ہوں۔ یہ تو قارئین بتائیں گے۔ حضرت! میری بے ربط تحریر کا بغور مطالعہ فرمائیں کم و بیشی فرماتے ہوئے درستگی بھی فرمالیجیے گا! اللہ آپ کو صحت والی عمر عطافرمائے صدقہ نبی روف الرحیم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ۔ گھر میں سب کو سلام مسنون!

علامہ محمد منشا تابش قصوری (جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور)

بخدمت حضرت الحاج سیّد وجاہت رسول قادری صاحب
السلام علیکم رحمتہ اللہ وبرکاتہ، مزاج گرامی!
آپ کی علالت وصحت کے متعلق "معارف رضا" میں پڑھتا رہتا ہوں اور بعض اوقات مولانا ندیم احمد ندیم قادری نورانی زید مجدہٗ سے فون پر بھی معلومات حاصل کی جاتی ہیں، جو پہلے سے بہتر سنائی دیتا ہے۔ تاہم علالت کی طوالت سے دل پریشان ہے۔
امام اہلِ سنّت الشاہ احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات ستودہ صفات پر آپ کی مسلسل خدمات نے بین الاقوامی سطح پر سنّیوں کے سینوں میں ایک مقام پیدا کر رکھا ہے۔ "معارف رضا" کا استقامت سے شائع ہوتے رہنا اس میں آپ کی مساعیٔ جمیلہ کا بڑا دخل ہے۔
دعا ہے اللہ تعالیٰ جل وعُلیٰ بجاہِ حبیبہ الاعلیٰ علیہ التحیۃ والثناء آپ کو صحت وتندرستی کی نعمت سے جلد نوازے آمین ثم آمین!

ڈاکٹر صلاح الدین شیخ اختر القادری (حیدرآباد، پاکستان)

محترم جناب مدیر صاحب، السلام علیکم ورحمتہ وبرکاتہٗ
عرض ہے کہ راقم الحروف ۱۹۸۴ء سے بزم رضا پاکستان حیدرآباد سے وابسطہ ہے اور شرفِ بیعت حضرت علامہ مفتی محمد اختر رضا خاں ازھری میاں مدظلہ سے ہے اور عرصۂ دراز سے معارف رضا کراچی کا سالانہ خریدار ہوں۔ پچھلے دنوں بزم رضا پاکستان کے تاحیات مرکزی صدر اور بانی رکن حافظ محمد جمیل قادری رضوی کا ۳۰ جنوری ۲۰۱۲ء کو انتقال ہوگیا تھا۔ ان کی بزم رضا پاکستان میں بڑی خدمات ہیں جو تفصیل کے کاغذات ارسال خدمت ہیں اس درخواست کے ساتھ کہ چند سطور رسالہ میں شائع فرمادیں نوازش ہوگی اور ساری دنیا میں رضویوں کو آپ کے وصال کی خبر بھی مل جائے اور ایصال ثواب کا ذریعہ بھی ہو جائے گا۔

محمد عبدالقیوم خان طارق سلطانپوری (محلّہ حطاراں حسن ابدال)

محترم المقام گرامی القدر عالی مرتبت صاحبزادہ سیّد وجاہت رسول قادری زید مجدہٗ۔ السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ! امید ہے مزاج بخیر ہوں گے۔
اکلوتی بیٹی ڈاکٹر منیرہ سحر سلمہا اللہ تعالیٰ کے نکاحِ مسنونہ وتقریب رخصتی کے انعقاد کا اپریل کے آخری ہفتے میں پروگرام ترتیب دیا ہے۔ آپ اس تقریب سعید میں شرکت فرمائیں۔ یہ دیرینہ مداح محبوبِ رب العالمین ﷺ، ثناگوئے آل رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واصحاب کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نیاز مندِ ابرار واخیارِ امّت اس عزت افزائی کے لیے دلی ممنون ہوگا۔ بیٹی کو بابرکت دعاؤں اور مبارک تمناؤں کے سائبان تلے رخصت کرنے میں میری حوصلہ افزائی فرمائیں۔

یہ موقع میرے لیے مسرت بخش بھی ہے اور صبر آزما بھی، فرحت انگیز بھی ہے اور افسردہ کن بھی۔ میری آنکھوں میں اللہ تعالیٰ جل جلالہ و عم نوالہ کے لیے تشکر و امتنان کے آنسو ہیں اور اکلوتی بیٹی کی جدائی کی کسک کی جھلمل جھلمل بھی ان میں موجود ہے۔ میں اپنے آقا و مولیٰ رحمتِ کائنات حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّتِ مبارکہ پر عمل کر رہا ہوں۔ زہے نصیب۔ سیدۃ النساء العٰلمین، طیبہ وطاہرہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے بابا جان جو ابو الامت بھی ہیں اپنے اس ناچیز امتی (جسے نعت گوئی کے لازوال شرف سے نوازا ہے) کی بیٹی کو جو خاندانی کنیز فاطمہ ہے حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کی چادرِ تطہیر کے صدقے اپنی رحمت ورافت سے نوازیں گے، نوازتے رہیں گے دنیاوی زندگی میں بھی اور اخروی زندگی میں بھی۔

حسن ہے جس کی سخاوت کی دھوم عالم میں
انہی کے تم بھی ہو اک ریزہ خوار ہم بھی ہیں

ماہنامہ معارفِ رضا کے گزشتہ شماروں کی دستیابی

گزشتہ ۱۲ سالوں میں شائع ہونے والے ماہنامہ معارف رضا کے انفرادی شمارے ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا سے دستیاب ہیں۔ ہدیہ مع عام ڈاک خرچ ۳۰ روپے فی شمارہ منی آرڈر کریں۔ دستیاب شماروں کی تفصیل کچھ اس طرح ہے:

۲۰۰۰ء شمارہ جنوری، فروری، مارچ، اگست، ستمبر، نومبر اور دسمبر
۲۰۰۱ء شمارہ جنوری، اپریل، جون، اکتوبر، نومبر اور دسمبر
۲۰۰۲ء شمارہ جنوری، جون اور دسمبر
۲۰۰۳ء شمارہ نومبر اور دسمبر
۲۰۰۴ء شمارہ فروری، جولائی، اگست، ستمبر، اکتوبر، نومبر اور دسمبر
۲۰۰۵ء جنوری، فروری، (مارچ، اپریل، مئی مشمولہ سالنامہ)، جون، جولائی، اگست، ستمبر، اکتوبر، نومبر اور دسمبر
۲۰۰۶ء جون، جولائی، اگست اور ستمبر
۲۰۰۷ء شمارہ مئی، اگست اور دسمبر
۲۰۰۸ء شمارہ جون
۲۰۰۹ء شمارہ جولائی، ستمبر، اکتوبر، نومبر اور دسمبر
۲۰۱۰ء شمارہ مئی، جون، جولائی، اگست، ستمبر، نومبر اور دسمبر
۲۰۱۱ء شمارہ فروری، مارچ، اپریل، جون، جولائی، اگست، ستمبر، نومبر اور دسمبر۔ (ان ماہنامہ شماروں کے علاوہ سالنامہ ۲۰۱۱ء ہائر ایجوکیشن کمیشن پاکستان کے معیار کے مطابق علیحدہ شایع ہوا ہے)
۲۰۱۲ء شمارہ جنوری، فروری، مارچ اور اپریل

ماہنامہ معارف رضا سال ۲۰۱۱ء کی فائل

سال ۲۰۱۱ء کے تمام ۱۲ شماروں پر مشتمل فائل محدود تعداد میں ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا سے دستیاب ہیں۔ ہدیہ غیر مجلد ۵۵۰ روپے، مجلد ۷۵۰ روپے مع رجسٹرڈ ڈاک خرچ بذریعہ منی آرڈر روانہ کریں۔

www.imamahmadraza.net

گزشتہ ماہ پاکستان، انڈیا، انگلینڈ، امریکا، سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، نیدرلینڈ، قطر، جنوبی افریقہ، ماریشس، بنگلہ دیش، یونان، تھائی لینڈ، آسٹریا، آسٹریلیا، کینیڈا، جرمنی، اسپین، ہانگ کانگ، اومان، یمن، سوئزرلینڈ، چین، ڈنمارک، ایتھوپیا، فرانس، انڈونیشیا، جنوبی کوریا، لیسوتھو، ملاوی، ملایشیا، ناروے، نیپال، فلپائن، سویڈن، سلووینیا، ٹرینی داد اینڈ ٹوباگو اور یوگینڈا وغیرہ ممالک کے ۱۲۶ سے زائد شہروں سے ایک بڑی تعداد میں قارئین نے ادارے کی ویب سائٹ ملاحظہ کی۔

دعوت برائے مقالہ نگاری

سالنامہ معارف رضا ۲۰۱۲ء (اُردو) میں اشاعت کے لیے مقالات ۳۰؍جون ۲۰۱۲ء تک ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کے دفتر میں بذریعہ ڈاک یا کوریئر جمع کرائے جاسکتے ہیں۔ مقالات بذریعہ ای میل imamahmadraza@gmail.com پر بھی بھیج سکتے ہیں۔ مقالہ ہائر ایجوکیشن کمیشن کے معیار کے مطابق ہو۔ مقالہ نگاروں کے لیے ہدایات معارف رضا کے آخری صفحات پر ملاحظہ فرمائیں۔

دعوت برائے رضا ہائر ایجوکیشن پروجیکٹ

ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا یونیورسٹی، کالجز اور مدارس کے اساتذہ، اسکالرز اور طلبا وطالبات کو امام احمد رضا اور متعلقاتِ رضا کے مختلف عنوانات پر تحقیق کی دعوت دیتا ہے۔ موضوع کے انتخاب سے مقالے کی تکمیل تک ادارے کی طرف سے راہ نمائی اور مواد کی نشاندہی کی سہولت موجود ہے۔ خواہش مند افراد ادارۂ تحقیقات کے دفتر سے بذریعہ فون، ای میل یا ویب سائٹ رابطہ کریں۔

اداے کی لائبریری میں موصول ہونے والے جرائد

ماہنامہ النظامیہ، لاہور (اپریل ۲۰۱۲ء)، ماہنامہ نورالحبیب، بصیر پور (اپریل ۲۰۱۲ء)، ماہنامہ کاروانِ قمر، کراچی (اپریل ۲۰۱۲ء)، مجلّہ البرھان الحق، واہ کینٹ (اپریل ۲۰۱۲ء)، ماہنامہ الہام، بہاولپور (اپریل ۲۰۱۲ء)، ماہنامہ ضیائے حرم، اسلام آباد (اپریل ۲۰۱۲ء)، ماہنامہ عقیدت، حیدرآباد (مارچ ۲۰۱۲ء)، ماہنامہ آہنگ، کراچی (مارچ ۲۰۱۲ء)، ماہنامہ نورالعرفان، لاہور (مارچ ۲۰۱۲ء)، ماہنامہ زاویہ نگاہ، کراچی (اپریل ۲۰۱۲ء)، ماہنامہ الاشرف، کراچی (اپریل ۲۰۱۲ء)، ماہنامہ رضائے مصطفٰے، گجرانوالہ (اپریل ۲۰۱۲ء)، ماہنامہ آوازِ حق، پشاور (فروری ۲۰۱۲ء)، ماہنامہ رُشدالایمان، سمندری شریف (اپریل ۲۰۱۲ء)، ماہنامہ اہلِ سنّت، گجرات (اپریل)، ماہنامہ پیغام اہلِ سنّت، فیصل آباد (ربیع الاوّل ۱۴۳۳ھ)، خبر نامہ ہمدرد، کراچی (اپریل ۲۰۱۲ء)، ماہنامہ مصلح الدین، کراچی (مئی ۲۰۱۲ء)، ماہنامہ الاحیاء کراچی (اپریل ۲۰۱۲ء)، ماہنامہ کنزالایمان، دہلی (مئی ۲۰۱۲ء)، ماہنامہ فیضانِ مصطفٰے، واہ کینٹ (اپریل ۲۰۱۲ء) The Minaret, (Karachi, April)

رضویات کے حوالے سے جرائد و رسائل میں شائع ہونے والے مقالات

(۱) مولانا پیر محمد چشتی، "مدارج العرفان فی مناھج کنزالایمان" (قسط وار)، ماہنامہ آوازِ حق، پشاور، فروری ۲۰۱۲ء، ص ۱۵۔۲۹۔

(۲) اسماعیل احمد بدایونی، "امام احمد رضا عقل و دانش کی عدالت میں" (قسط وار)، ماہنامہ رشد الایمان، سمندری، اپریل ۲۰۱۲ء، ص ۳۲ تا ۳۳۔

(۳) ندیم احمد ندیؔم قادری نورانی، "حیات و خدمات مبلّغِ اسلام علامہ شاہ محمد عبدالعلیم صدیقی"، ماہنامہ، اہلِ سنّت، گجرات، اپریل ۲۰۱۲ء، ص ۲۳ تا ۲۸۔ یہ مضمون اس سے پہلے ماہنامہ "افق" کراچی دسمبر ۲۰۱۰ء اور پھر ماہنامہ "کنزالایمان"، دہلی جنوری ۲۰۱۲ء میں "آسماں کو چھو رہی ہے رفعتِ عبدالعلیم" کے عنوان سے بھی شایع ہو چکا ہے۔

(۴) طارق انور مصباحی، "حسام الحرمین پر تصدیقِ جدید کا آغاز"، ماہنامہ "کنزالایمان"، دہلی، مئی ۲۰۱۲ء، ص ۵۲ تا ۵۳۔

لائبریری ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا میں موصول ہونے والی کتب

نمبر شمار	کتاب کا نام	مصنف / مرتب / مترجم	صفحات	ناشر
۱	ہدایت کی نور نور کرنیں	عبدالحفیظ معارفی	۱۶۸	حاجی اقبال، کراچی
۲	علامہ اقبال اور روزنامہ زمیندار	ڈاکٹر اختر النسا	۲۹۴	بزمِ اقبال، لاہور
۳	خلفاءِ امام احمد رضا	علامہ عبدالحکیم شرف قادری	۱۴۴	مکتبۂ شمس و قمر، لاہور
۴	کشف المحجوب۔ اردو ترجمہ	مترجم: ابوالحسنات علامہ سیّد محمد احمد قادری	۶۴۰	مرکز معارفِ اولیاء پنجاب
۵	Revealed Grace	Arthur F. Buehler	321	Fons Vitae, Louisville
۶	شہدائے سوات	مولانا المصطفٰی چشتی سمیعی	۸۴	--------
۷	ختم نبوت اور تحذیر الناس	سید بادشاہ تبسم بخاری	۵۱۰	ادارۂ اشاعت العلوم، وسّن پورہ، لاہور
۸	علی سے پوچھ کتنا عظیم ہے صدیق	مفتی محمد اکرام المحسن فیضی	۳۲	انجمن ضیائے طیبہ، میٹھادر، کراچی
۹	علمِ غیب رسول ﷺ	مولانا محمد صالح نقشبندی مجددی	۳۸۴	مظہر علم، لاہور

مطبوعاتِ ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا

نام کتاب	صفحات	قیمت (روپے)
معارفِ رضا سالنامہ (اردو) ۲۰۰۵ء	۳۸۰	۲۰۰
معارفِ رضا سالنامہ (اردو) ۲۰۰۶ء	۲۵۵	۱۵۰
معارفِ رضا سالنامہ (اردو) ۲۰۰۷ء	۲۹۰	۱۸۰
معارفِ رضا سالنامہ (اردو) ۲۰۰۹ء	۳۸۰	۲۵۰
معارفِ رضا سالنامہ (اردو) ۲۰۱۰ء	۳۹۰	۳۵۰
معارفِ رضا سالنامہ (اردو) ۲۰۱۱ء	**۱۵۴**	**۲۰۰**
معارفِ رضا سالنامہ (عربی) ۲۰۰۵ء	۲۳۰	۱۵۰
معارفِ رضا سالنامہ (عربی) ۲۰۰۷ء	۸۸	۱۵۰
معارفِ رضا سالنامہ (عربی) ۲۰۰۸ء	۱۶۰	۱۵۰
Marif-e-Raza (English)2009	۱۴۴	۱۵۰
مجلّہ امام احمد رضا کانفرنس ۲۰۰۵ء	۷۲	۵۰
مجلّہ امام احمد رضا کانفرنس ۲۰۰۷ء	۹۸	۵۰
مجلّہ امام احمد رضا کانفرنس ۲۰۰۸ء	۹۶	۵۰
مجلّہ امام احمد رضا کانفرنس ۲۰۱۰ء	۴۰	۵۰
مجلّہ امام احمد رضا کانفرنس ۲۰۱۱ء	۴۰	۵۰
مجلّہ امام احمد رضا کانفرنس ۲۰۱۲ء	۴۰	۵۰

نام کتاب	صفحات	قیمت (روپے)
نزولِ آیاتِ فرقان۔ و۔ معین مبین	۱۰۴	۶۰
مولانا نقی علی خاں۔ حیات و علمی کارنامے	۲۲۵	۱۶۰
مکتوباتِ مسعودی	۵۹۸	۴۰۰
تذکرۂ اراکینِ ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا	۱۸۴	۸۰
۲۵ سالہ تاریخ وکارکردگی ادارہ	۵۶	۲۵
مختصر تعارف، مطبوعات وکارکردگی ادارہ	۵۶	۲۵
خلفائے محدثِ بریلوی	۱۵۶	۱۰۰
امام احمد رضا کی انشا پردازی	۱۳۶	۱۰۰
ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا۔ ایک تعارف	۵۶	۴۰
اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی اور علمائے کوٹلی	۶۴	۶۰
جدید طریقۂ نعت خوانی تعلیماتِ رضا کی روشنی میں	۱۶	۲۰
اردو تراجم قرآن کا تقابلی مطالعہ	۸۰	۵۰
اشاریۂ سالنامہ معارفِ رضا ۱۹۸۱ء تا ۲۰۰۶ء	۶۴	۱۰۰
رضویات۔ نئے تحقیقی تناظر میں	۱۶۰	۱۵۰
اردو نعت گوئی اور فاضل بریلوی	۶۸۰	۴۰۰
دو مجدد اور پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد	۹۶	۶۰
لال قلعہ سے لال مسجد تک	۶۴	۵۰
تعلیمی افکارِ رضا پر تحقیق	۱۷۴	۱۵۰
پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد بلوچستان میں	۶۴	۵۰
امام احمد رضا اور علم صوتیات	۶۴	۵۰
الامام أحمد رضا خان وأثرہ فی الفقہ الحنفی	۴۰۰	۵۰۰
النثر الفنی	۱۶۵	۲۵۰
ثلاث رسائل فی التکافل الاجتماع	۱۵۰	۱۵۰
حیاۃ الامام أحمد رضا	۵۵	۷۰
EMBRYOLOGY	۵۵	۴۸
Hussam-Ul-Haramain	۱۵۵	۱۰۰